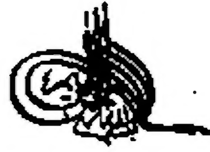
# فہم قرآن کے زریں قواعد



علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی





﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الاسرا)

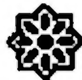
اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی
سیدھا ہے اور اہلِ ایمان کو خوشخبری دیتا ہے

# فہم قرآن کے زریں قواعد



تالیف

علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی



اخذ و ترجمہ

پروفیسر میاں فیض رسول



الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

اکتوبر 2006ء
محمد فیصل نے
زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔
قیمت: -/150 روپے
Al-FAISAL NASHRAN
hazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
hone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
ttp : www.alfaisalpublishers.com
.mail : alfaisal_pk@hotmail.com
.mail : alfaisalpublishers@yahoo.com

25147



# فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ابتدائیہ

کچھ عرصہ پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرمین شریفین کی زیارت سے مستفیض ہونے کا مبارک موقع عنایت فرمایا۔ ایسے لمحات دلوں کو آلودگیوں اور آلائشوں سے نجات دلا کر قلب وروح کے تزکیہ وطہارت اور برکت وہدایت کے حصول کے عظیم مواقع فراہم کرتے ہیں:

﴿مبارکاً وَهُدًى لِلْعَالَمِيْنَ﴾ بیت اللہ سب اہلِ جہاں کے لیے برکت وہدایت کا سرچشمہ ہے۔

خانہ کعبہ میں فرائض، طواف، سعی، نوافل اور دیگر عبادات کے بعد اور حرمِ نبوی میں صلوٰۃ وسلام اور فرائض وواجبات کی ادائیگی کے بعد فارغ اوقات میں زائرین کی اکثریت بازاروں میں گھوم پھر کر تحفے تحائف اور دیگر اشیاء کی خریداری میں مصروف ہو جاتی، مگر میں اپنے فارغ اوقات لائبریریوں اور کتب خانوں میں صرف کرتا تھا۔ قرآن وسنت اور دیگر جدید مسائل پر مشتمل اکابر علماء کی تصنیفات اور رسائل میری توجہ کے مراکز ہوتے تھے۔

اس دوران ایک مکتبہ میں علوم القرآن کے موضوع پر برائے فروخت سجی ہوئی کتب میں سے علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی کی تالیف ''اَلْقَواعِدُ الحِسَان لِتَفْسِیْرِ الْقُرآن'' پر میری توجہ مرکوز ہوگئی۔ کتاب کا موضوع دل آویز تھا لہٰذا میں نے اسے خرید لیا۔

ابتداء ہی سے قرآنِ حکیم میرے مطالعہ اور غور وفکر کا محور ومرکز رہا ہے۔ قرآنی مفاہیم ومطالب تک رسائی حاصل کرنے کیلئے اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں اکابر علماء کے کئی تراجم اور تفاسیر کا مطالعہ کر چکا تھا؛ اصولِ تفسیر پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''الفوز الکبیر'' اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' کو بھی پڑھ چکا تھا۔ اس کتاب میں درج تفسیرِ قرآن کے اصول وقواعد پڑھنے سے مجھے محسوس ہوا کہ قرآن فہمی کے لیے یہ بھی بہت مفید کتاب ہے اور میرے دل نے بھی مؤلف محترم کے اس اظہار کی صداقت پر گواہی دی کہ ''یہ اصول وضوابط کتاب اللہ کے عظیم الشان اوصاف کی خبر دینے والے ہیں کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے انسان کیلئے تفسیر اور مفہوم ومعانی تک رسائی حاصل کرنے کے راستے کھولتے ہیں۔ یہ قواعد اُن بے شمار تفاسیر سے بے نیاز کردیتے ہیں جو ان نفع بخش مباحث سے خالی ہوتی ہیں''۔ چنانچہ

اس کتاب کے مطالعہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ علوم تفسیر میں یہ بھی یہ ایک عمدہ اضافہ ہے۔

میرے عزیز دوست رائے خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ بھی اس موضوع سے متعلقہ کتابوں میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ میں نے یہ کتاب انھیں دکھائی اور اس کا اردو میں ترجمہ کرنے کو کہا۔ انھوں نے بڑی خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ مگر چونکہ وہ ان دنوں علامہ یوسف القرضاوی کی کتاب ''العبادۃ فی الاسلام'' کا ترجمہ کر رہے تھے [1] اس لیے کچھ عرصہ کے بعد تاخیر سے بچنے کے لیے انھوں نے اصرار کیا کہ پیش نظر کتاب کا ترجمہ میں کروں۔ چنانچہ میں نے بعون اللہ تعالیٰ اپنی استطاعت کی حد تک اس کا ترجمہ کیا ہے، جو قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اس بارے میں علماء کرام کی رہنمائی اور مشوروں کا منتظر رہوں گا۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات کریم میری اس ناچیز محنت کو قبول فرمائے اور مولف محترم اور اس کار خیر میں مساعی جمیلہ کرنے والے سب معاونین کو دنیا و آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے، واللہ الرحمٰن المستعان وبہ تتمّ الصالحات.

پروفیسر میاں فیض رسول ہنجرا
سابق پرنسپل گورنمنٹ کے۔اے اسلامیہ کالج
جامعہ محمدی، ضلع جھنگ

---

[1] بحمد اللہ یہ کتاب ''اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم'' کے نام سے فیصل پبلشرز لاہور نے شائع کر دی ہے۔



# اَلْقَوَاعِدُالحِسَان لِتَفْسِيْرُ الْقُرْآن

قرآن حکیم کے نہایت مفید اور جلیل القدر اصول وقواعد ہیں جو کلامُ اللہ کے پڑھنے والے اوراس کے معانی پر غور کرنے والے شخص کیلئے مددگار ثابت ہوتے ہیں اوراس کی صحیح راہنمائی کرتے ہیں۔ یہ اصول وضوابط کتاب اللہ کے عظیم الشان اوصاف کی خبر دینے والے ہیں کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے انسان کیلئے تفسیر اور مفہوم ومعانی تک رسائی حاصل کرنے والے راستے کھولتے ہیں۔ یہ قواعد اُن بے شمار کتبِ تفاسیر سے بے نیاز کر دیتے ہیں جو ان نفع بخش مباحث سے خالی ہوتی ہیں۔ مَیں اللہ تعالےٰ سے امید کرتا ہوں اور سائل ہوں کہ جس مقصد کیلئے ہم نے یہ کتاب لکھی ہے وہ اسے پورا کرے اوراپنے فضل وکرم کے خزانے کھولے جو ہمارے لئے نفع بخش علم اور کامل ہدایت تک رسائی حاصل کرنے کا سبب بن جائیں۔

پس تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ علم تفسیر مطلقًا تمام علوم سےزیادہ عظیم الشان علم ہے۔ یہ تمام علوم سے افضل اور لازمی علم ہےاور اللہ تعالےٰ کو بہت محبوب ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب کی آیات کے معانی میں غوروفکر کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اوراس کے احکامات پر عمل پیرا ہونے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں اعلےٰ مراتب پر فائز فرمایا ہے اوران سے بہترین انعامات وعنایات کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر آدمی اپنی زندگی کی اعلےٰ صلاحیتوں کو اس فن کے حصول میں کھپادے تو اس سے بہتر مقام حاصل نہیں کر سکے گا جو مطالب ومقاصد کے اعتبار سے اس سے افضل ہواوراس کے سارے اصولوں کی اصل ہواور دارین کی سعادت مندیوں کی بنیاد ہو جس میں دین ودنیا اور آخرت کے امور کی درستگی ہواوراس کی برکت سے آدمی کیلئے ہدایت، خیراور

رحمت سے مزّین زندگی یقینی ہو جائے اور اس کیلئے اللہ تعالےٰ نہایت ہی پاکیزہ زندگی اور باقی رہنے والی نیکیاں بہم پہنچائے۔

اب ہم اُن قاعدوں اور ضابطوں کا مختصر ذکر کریں گے جن سے یہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں کیونکہ جب آدمی کیلئے یہ دروازہ کھلتا ہے اور اسباب کے قواعد سمجھنے کیلئے وہ اپنے آپ کو تیار پاتا ہے تو اس کے لئے متعدد مثالوں سے اس کے طور طریقے اور راستے واضح ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان میں وہ مہارت حاصل کرتا چلا جاتا ہے تو وہ زیادہ تشریح و تفصیل کا محتاج نہیں رہتا۔ ہم اللہ تعالےٰ سے اس کی مدد، شفقت اور توفیق کے طالب ہیں اور ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں اپنے فضل وکرم اور احسان سے ہدایت عطا فرمادے اور اس کتاب کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے آمین۔

## پہلا قاعدہ

### قرآنِ حکیم کی تفسیر کیسے سیکھیں؟

جس کسی نے کوئی راستہ اختیار کیا اور کوئی کام شروع کیا اور وہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف جانے والے راستوں پر چل کر اس کے دروازوں سے آیا تو وہ لازماً اس میں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوگا اور منزل مراد تک پہنچ کر رہیگا۔ جیسے اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ (البقرہ: ۱۸۹)

گھروں میں اُن کے دروازوں سے آؤ

مطلوب جتنا عظیم ہوگا اتنا ہی وہ اس حقیقت کا حامل ہوگا اور اس عظیم مطلوب تک پہنچنے کیلئے سیدھے اور مثالی طریقہ ہائے کار کے ذریعے کامل جستجو سے مدد لینا پڑے گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے پیش نظر قرآنِ عظیم کی تفسیر کے قواعد کا نہایت اہم اور اعلےٰ وارفع کام ہے بلکہ یہی اس کی اصل اور بنیاد ہے۔ پس جان لیجئے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن حکیم کو مخلوق کی رُشد وہدایت کیلئے نازل فرمایا ہے۔ یہ ہر زمانے اور ہر مقام پر نہایت ہی موزوں اور صحیح طور پر

راہنمائی فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ﴾ (بنی اسرائیل ۹ : ۱۷)

یہ قرآن نہایت ہی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

پس لوگوں کیلئے لازمی ہے کہ کلام اللہ کے معانی تک اس طرح رسائی حاصل کریں جس طرح صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین نے کی تھی وہ جب دس آیات یا اس سے کم وبیش پڑھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک وہ جان نہ لیتے اور تحقیق نہ کر لیتے کہ ایمان، علم، اور عمل کے ضمن میں کیا دلائل ہیں۔ وہ ان آیات کو پیش آنے والے واقعات پر منطبق کرتے تھے جن عقائد اور حالات پر وہ آیات حاوی ہوتی تھیں اُن پر ایمان لاتے تھے اور اُن احکامات اور مناہی پر عمل پیرا ہوتے تھے جن پر وہ آیات مشتمل ہوتی تھیں اور ان تمام پیش آمدہ حادثات اور واقعات پر اُن کو منطبق کرتے تھے جن سے وہ خود دوچار ہوتے تھے یا جن سے دوسروں کو سابقہ پڑتا تھا۔ وہ اپنی ذات کا محاسبہ کرتے تھے کہ آیا وہ خود احکامات پر عمل پیرا ہیں یا انہوں نے ان کے حقوق اور مطالبات کو پس پشت ڈال دیا ہے، نفع بخش امور پر ثابت قدم رہنے کے طریقے معلوم کرتے اور اس سلسلے میں جو کمی رہ جاتی اسے پورا کرتے۔ ضرررساں امور سے نجات کیلئے وہ قرآن کے علوم سے راہنمائی حاصل کرتے تھے اور اس کے پیش کردہ اخلاق وآداب اپنے اندر پیدا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ قرآن حکیم اس اللہ تعالےٰ کی کتاب ہے جو ظاہری اور چھپی ہوئی باتوں کے جاننے والا ہے وہ ان کی طرف متوجہ اور مخاطب ہے۔ صحابہ کرامؓ کو معلوم تھا کہ وہ قرآنی علوم کے مفہوم کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کے مکلف ہیں۔

جس شخص نے بھی صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چل کر اس طریقہ کو اپنایا اور کلام اللہ میں تدبر کرنے کی کوشش کی اس کیلئے قرآن کے مفہوم ومعانی تک رسائی کا بہت بڑا دروازہ کھل گیا، اسکی معرفت قوی اور اس کی بصیرت منور رہوئی۔ اس طرح سے وہ بہت سے تکلفات اور خارجی بحثوں سے بے نیاز ہو گیا خاص طور پر جب اُسے عربی علوم میں خاصی دستگاہ حاصل ہو اور سیرت النبی

ﷺ اور آپ ﷺ کے حالات زندگی نیز آپ ﷺ کے دوستوں اور دشمنوں سے بھی واقفیت تامہ ہو، یہ استعداد اس مقصد کے حصول کیلئے بڑی مدد معاون ثابت ہوگی۔ جب آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن نے ہر چیز کی وضاحت کردی ہے، وہ ساری مصلحتوں کی کفالت کرنے والا، ان کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے والا اور اُن پر ابھارنے والا ہے اور تمام ضرررساں باتوں سے متنبہ کرنے والا ہے تو وہ اس کلیہ کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے اور وہ اسے ہر گذشتہ وآئندہ واقعہ پر منطبق کرتا ہے، اس قاعدہ سے اس کو بڑی عظمت کے حامل مواقع میسّر آتے ہیں اور اس سے اسے بڑے فوائد اور ثمرات حاصل ہوتے ہیں

## دوسرا قاعدہ

### تعبیر کا انحصار خصوصی اسباب کی بجائے عمومِ الفاظ پر ہوتا ہے

یہ قاعدہ بہت ہی نفع بخش ہے، اسے ملحوظ خاطر رکھنے سے بندے کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، اس سے خیر کثیر اور گہرے علم کا حصول ممکن ہوجاتا ہے اور اس سے پہلو تہی اور عدم توجہی علمِ کثیر کے ضائع کردینے کے مترادف ہے اور بندہ خطرناک غلطیوں اور ابہام کا شکار ہوجاتا ہے۔

اس اصول پر محقق علماءِ اصول متفق ہیں کہ اس قاعدہ سے کب صحیح معنوں میں کام لیا جاسکتا ہے۔

مفسرین نے اسبابِ نزول کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ الفاظ کی وضاحت کیلئے جس طرح مثالیں دی جاتی ہیں اسبابِ نزول کا تعلق اسی قبیل سے ہے، ان پر الفاظ اور آیات کے معانی کا دارومدار نہیں ہوتا۔ مفسّرین کا یہ کہنا کہ یہ آیات فلاں موقع پر نازل ہوئی ہے اپنے اندر یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ آیت اس موقعہ پر بھی منطبق ہوسکتی ہے اور وہ تمام معانی بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو اس سے مراد لئے جاسکتے ہیں کیونکہ قرآن حکیم جس طرح اُمت کے پہلے لوگوں کیلئے راہنمائی ہے اسی طرح آخر میں آنے والوں کیلئے بھی یکساں طور پر ہدایت ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے اور جب بھی آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب حکیم میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب ہم اس کے عموی

الفاظ پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم بہت سی باتوں پر حاوی ہے۔پس جب اسبابِ نزول کے مشابہ واقعات پر ان آیات کا اطلاق ہوسکتا ہے تو ہم اس کے معانی کی کون سی شق کو اس سے خارج سمجھیں گے۔اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب میں اللہ تعالےٰ کو یَـآ یُّھَـا الَّـذِیْنَ اٰمَنُوا کے الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے سنتا ہوں تو میں اپنے کانوں کو اس طرف متوجہ کر لیتا ہوں کیونکہ اس کے بعد یا تو کسی نیکی کے کرنے کا حکم دیا جائیگا یا کسی برائی سے ممانعت ہوگی۔

جب تجھے اللہ تعالےٰ کی صفات اور اس کے اسماء کے بارے میں خبر پہنچے اور جن کمالات کا وہ مستحق ہے اور جن نقائص سے وہ منزہ ہے سے آگاہی ہو تو اس ذاتِ بابرکات کیلئے ان تمام کامل ترین معانی کا اثبات کیا جائے جو اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کیلئے مختص کئے ہیں اور جن نقائص سے اپنی ذات کو منزہ قرار دیا ہے سے پاک سمجھا جائے۔

اسی طرح جب تجھے اس کے رسولوں،اس کی کتابوں،قیامت کے احوال اور سارے سابقہ اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں خبریں پہنچتی ہیں تو پورے وثوق کے ساتھ یقین کر لینا چاہئے کہ وہ حقیقت پر مبنی ہیں بلکہ وہ حق وصداقت کی بلند ترین باتیں ہیں:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (النساء:۸۷)

اور اللہ کی باتوں سے بڑھ کر کس کی باتیں سچی ہوتی ہیں؟

جب اللہ تعالےٰ کسی بات کا حکم دیتا ہے تو معاً تیری نظر اس کے معانی کی طرف جائے کہ کون سی چیز اس میں شامل ہے اور کون سی خارج۔تو جان لے کہ آیا یہ حکم پوری امت کیلئے دیا گیا ہے اور اسی طرح نہی کا معاملہ بھی ہے۔اس لئے اللہ تعالےٰ کے رسول پر نازل شدہ حدود کی معرفت ساری بھلائیوں اور کامیابیوں کی اصل ہے اور ان سے عدمِ واقفیت ہر برائی اور خسران کی جڑ ہے۔پس اس قاعدے کو ملحوظ خاطر رکھنے سے حدود اللہ کی معرفت اور اس پر عمل پیرا ہونے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

قرآن حکیم نے اپنے اندر خوبصورت اسلوب میں واضح الفاظ کے ساتھ جلیل القدر معانی،

مفید اور سچی باتیں اپنے اندر جمع کر دی ہیں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ (الفرقان: ۳۳)

جب کبھی وہ تمہارے پاس کوئی مثال (کہاوت) لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتائیں گے۔

یہ ارشاد اس قاعدہ کی وضاحت کرتا ہے، اس کی حقیقت کھولتا ہے اور اس کا طریقہ متعین کرتا ہے۔

## تیسرا قاعدہ

عربی گرائمر کا قاعدہ ہے کہ الف لام (ا ل) جس حیثیت سے اسمائے صفت اور اسمائے جنس پر داخل ہوتا ہے اس حیثیت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔علمائے اصول اور اہل زبان اسے نص قرار دیتے ہیں (بغیر کسی تاویل کے تسلیم کرتے ہیں) اور اسکی صداقت پر اہل علم اور اہل ایمان اتفاق کرتے ہیں جیسے قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الحجرات:۳۵)

بیشک فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، مطیع فرمان مرد اور عورتیں، راست باز مرد اور عورتیں، صابر مرد اور عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ان اوصاف میں وہ تمام معانی داخل ہیں جو اسلام، ایمان، قنوت، صدق، اور آخر تک مشمولہ تمام الفاظ سے لئے جاسکتے ہیں۔ ان تمام اوصاف کمال پر مرتب ہونے والے نتائج کی خبر دی گئی ہے۔ ان اوصافِ کمال کے کامل احاطے کیلئے اس بخشش اور اجرِ عظیم کی خبر دی گئی ہے جو ان اوصاف پر مرتب ہوں گے۔ یہ ثمرات ان صفات کے کم ہونے سے کم ہو جائیں گے اور ان کے معدوم ہونے سے نایاب ہو جائیں گے۔ اس طرح اُن ساری صفات کا حال ہے جن پر بھلائی اور اجر و ثواب مرتب ہوتے ہیں اور اسی طرح ان کے مقابل میں اُن ساری برائیوں کا حال ہے جن سے اللہ نے منع کیا ہے اور ان پر مرتب ہونے والے عذاب، سزا اور نقصانات کی کیفیت ہے جو ان مذکورہ افعال کے ارتکاب پر منتج ہوں گے۔ اسی طرح ان آیات پر غور فرمائیں:

﴿إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ﴾ (المعارج: ۱۹، ۲۰، ۲۱)

بیشک انسان بہت جزع فزع کرنے والا پیدا کیا گیا ہے، جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، جب اسے بھلائی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ماسوائے نمازیوں کے اور جیسے سورہ العصر ہے یہ سورہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر انسان کا انجام خسارہ ہے۔ لفظ انسان جنس انسان کیلئے عام ہے پس ہر انسان کے اندر یہ صفات پائی جاتی ہیں ماسوائے اُن لوگوں کے جنھیں اللہ نے اِلَّا کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہے اوپر والی آیات میں اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ اور سورہ العصر میں اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوا مُستثنیٰ ہیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں:

اس قاعدہ کلیہ کا اطلاق زیادہ تر اسماء حسنہ پر ہوتا ہے کیونکہ قرآن میں کثرت کے ساتھ اسماء حسنیٰ وارد ہوتے ہیں اور یہ قرآن کے جلیل القدر علوم میں سے ہیں بلکہ قرآن کا مقصد اوّلین یہی اسماء حسنیٰ ہیں: مثلاً اللہ کریم اپنی ذات کے بارے میں خبر دیتے ہیں کہ وہ رب ہے، حی و قیوم ہے، وہ ملک (بادشاہ) ہے، وہ علیم ہے، وہ حکیم ہے، وہ عزیز ہے، وہ حلیم ہے، وہ قدوس ہے، وہ سلام ہے، وہ حمید ہے، وہ مجید ہے، پس اللہ وہ ہے جس کی ربوبیت کے وہ سارے معانی لئے جاسکتے ہیں جس کا وہی مستحق ہے۔ وہ سارے کے سارے اسمائے کمال ہیں، وہ سارے اسماء اللہ کی

تعریفیں ہیں اور اس کے فضل واحسان والی صفات ہیں۔ ربوبیت کے ان معانی میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ :11)

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے والا دیکھنے والا ہے

نہ تو کوئی بشر نہ کوئی فرشتہ اس جیسا ہے بلکہ وہ تمام اپنے رب کے بندے ہیں، ربوبیت کی ساری اقسام کے ساتھ وہ اپنے رب سے پرورش پاتے ہیں اور اللہ کی بزرگی اور جلال کے سامنے وہ سب عاجز ہیں۔ اس کیلئے یہ مناسب نہیں کہ کوئی اس کے برابر ہو نہ اس کی عبادت میں اور نہ اس کی الوہیت میں۔ اللہ سبحانہٗ کی ربوبیت کے طفیل سارے انبیاء اور ملائکہ پرورش پاتے ہیں، اس کی تخلیق، رزاقی، تدبیر، موت اور زندگی کے سلسلے میں اسی کے محتاج ہیں۔ وہ سارے اس اللہ واحد کے سامنے اپنے خلوص عبادت کے ساتھ شکر گزار ہیں، وہ تمام اسی کو اللہ واحد قرار دیتے ہیں، وہ اسی سے ڈرتے ہیں، اس کے ماسوائے کسی کو اپنا ولی اور اپنا شفیع قرار نہیں دیتے۔ اس کی صفتِ ربوبیت کے اعتبار سے اس کا اپنے بندوں پر حق ہے کہ اس کو اللہ واحد تسلیم کیا جائے۔ وہ ایسا بادشاہ ہے کہ حکومت کے جملہ معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، وہ کامل بادشاہ ہے اور اس کے تصرّف کو نافذ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا اور یہ کہ ساری مخلوق اس کی مملوک ہے اور اس کی بادشاہت کے احکامات کی غلام ہے خواہ وہ احکام تقدیر سے متعلقہ ہوں یا شریعت وقانون سے متعلق ہوں یا ان کا تعلق جزاء وسزا سے ہو۔ وہ ہر شے کا جاننے والا ہے، اس کے علم سے نہ تو آسمانوں میں کوئی چیز پوشیدہ ہے اور نہ ہی زمین میں۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے خواہ وہ چیز ظاہر ہو یا باطن ہو، خفی ہو یا جلی ہو، واجبات میں سے ہو، ممکنات میں سے ہو یا ناممکنات میں سے ہو۔ نیز وہ امور ماضی سے متعلق ہوں یا آئندہ پیش آنے والے ہوں، ان کا تعلق عالم علوی سے ہو یا عالم سفلی سے ہو، کلیات ہوں یا جزیات ہوں، جنہیں مخلوق جانتی ہو یا نہ جانتی ہو سب باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں:

﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ج لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَافِي

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَالَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِه ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِه اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ج وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ البقرہ:۲۵۵

اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفتِ ادراک میں نہیں آسکتی الّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اُس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کیلئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

اس کی کامل اور جامع حکمت کے دائرے میں اس کی قضاوقدر اور اس کی ساری مخلوق شامل ہے، اس کے سارے احکامات وقوانین اس کی حکمت سے خالی نہیں ہیں، کوئی بھی مخلوق اور کوئی بھی قانون باہر نہیں ہے ۔وہ العزیز ہے جو ہر اعتبار سے عزت کے کامل ومکمل معانی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کسی کام کے سرانجام دینے کی قوت ہو یا باز رکھنے کی طاقت ہو یا قہر و غلبے کا ظہور ہو یہ سارے معانی لفظ عزیز میں شامل ہے۔ عزیز کا یہ مفہوم بھی ہے کہ ساری مخلوق اپنی ساری انتہائی درماندگیوں محتاجیوں اور اپنی حاجتوں وضرورتوں کے معاملے میں آخر وقت میں بھی اپنے رب کی محتاج ہے۔

وہ الرَّحْمٰن اور الرَّحِیْم ہے: اس کی رحمت ہر شئے سے وسیع ہے، اس میں رحمت کے سارے معانی مضمر ہیں اور کوئی مخلوق ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی بھلائی اور احسان سے محروم نہیں ہو سکتی اور جہاں تک اس کے علم کی رسائی ہے اس کی رحمتوں کی وسعتیں بھی وہاں تک پھیلی ہوئی ہیں

﴿ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْئٍ رَّحْمَةً وعِلْماً﴾ المومن:۷

اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم ہر شئی تک وسیع ہے۔

اور اس کے اسماء حسنٰی میں سے القدوس السّلام بھی ہے جو بڑی عظمت والا ہے، وہ ہر عیب ،مصیبت، ہر نقصان اور ہر مماثلت سے پاک ذات ہے، وہ اس بات سے بھی منزہ ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک ہو۔ اس طرح باقی ماندہ اسماء حسنٰی کا معاملہ ہے اگر اُن کے بارے میں تُو اس عظیم الشان قاعدہ کلیہ کا لحاظ رکھے گا تو معرفت الٰہیہ کے بے شمار ابواب میں سے تیرے لئے ایک عظیم باب کھل جائیگا۔ بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کی اصل معرفت اسماء حسنٰی میں پوشیدہ علوم ومعارف کی معرفت پر منحصر ہے اور بندے کے ان علوم ومعارف پر قدرت کے مطابق اس پر عظیم معانی منکشف ہوتے ہیں وگرنہ بندے کا علم مخلوق کے علم سے آگے نہیں بڑھتا۔ بایں ہمہ کوئی فرد بھی اس کی ثناء کا احاطہ نہیں کرسکتا بلکہ اس کی ذات پاک ایسی ہے جیسا کہ اس نے اپنی ثناء خود کی ہے اور وہ بندوں کی ثناء سے بڑھ کر بلند وبرتر ہے۔ اسی قبیل سے قرآن حکیم کی یہ آیت ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَےٰ الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَے الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدہ: ۲)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

یہ آیتِ کریمہ تمام نیکیوں اور بھلائیوں پر مشتمل ہے اور تقویٰ بھی ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جن سے پرہیز کرنا لازمی اور مناسب ہے اور جن کے بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے جو اللہ کے نافرمانی کے کام ہیں یا اللہ کی حرام کردہ حدود ہیں۔

اس طرح لفظ اِثم (گناہ) اُن سارے گناہوں پر حاوی ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں جس طرح لفظ "عُدْوَان" ایک جامع اسم ہے جس میں لوگوں پر زیادتی کی تمام اقسام داخل ہیں خواہ وہ خون کے بارے میں ہوں یا مال اور عزت وآبرو کے بارے میں ہوں یا پوری اُمت اور حکومتوں کے خلاف بغاوت ہو یا اللہ کی حدود کے سلسلے میں سرکشی ہو لفظ عدوان سب کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

لفظ معروف بھی ایک جامع اسم ہے، اس میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جن کا حسن و جمال شرعی اور عقلی طور پر مسلم ہو اور جن کے متضاد الفاظ منکر، سُوء اور فاحشہ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس قاعدہ کے بارے میں امت کو متنبہ فرما دیا تھا اس بارے میں انہیں راستہ دکھا دیا تھا جب آپ ﷺ نے نماز میں تشہد کے اندر اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْن پڑھنے کو کہا تھا اور فرمایا تھا کہ جب تم نے یہ کلمہ پڑھا تو گویا تم نے زمین و آسمان کے نیک بندوں پر سلام کیا۔ القرآن میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں ۔

## چوتھا قاعدہ

جب کسی آیت میں نفی یا نہی یا شرط یا استفہام کے سلسلے میں اسم نکرہ واقع ہو تو وہ عموم پر دلالت کرتا ہے جیسے اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَاعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ (النساء:٣٦)

اللہ واحد کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اس آیتِ کریمہ میں شرک کی ممانعت کی گئی ہے خواہ شرک نیت میں ہو یا قولی یا فعلی ہو۔ شرک کی جملہ اقسام جیسے شرکِ اصغر، شرکِ اکبر، شرکِ جلی اور شرکِ خفی ممنوع ہیں۔ بندے کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ کا مدِ مقابل گھڑے اور کسی بات میں بھی اللہ جل جلالہٗ کا کوئی شریک ٹھہرائے۔ اسی زمرے کی یہ آیتِ کریمہ بھی ہے:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ:٢٢)

تم جانتے بوجھتے اس کے شریک نہ بناؤ

قیامت کے احوال میں اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان:

﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا﴾ (الانفطار:١٩)

جس دن کوئی جان کسی جان کیلئے کچھ نہیں کر سکے گی

ہر جان کیلئے عام ہے کیونکہ اس دن کوئی شخص دوسرے کو فائدہ پہچانے کیلئے کسی اختیار کا مالک نہیں ہوگا۔ باہمی تعلق خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ کسی قسم کا فائدہ نہیں پہچائے گا اور نہ کوئی نقصان یا تکلیف دور کر سکے گا جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ﴾ (یونس:۱۰۷)

اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی مصیبت میں ڈالتا ہے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر اس کا ارادہ تجھے بھلائی پہنچانے کا ہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

پس ہر وہ مصیبت جو اللہ تعالیٰ نے بندے کی تقدیر میں لکھ دی ہے مخلوق میں سے کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اسے دور کر سکے خواہ وہ کوئی ہو۔ مخلوق اپنے مقصد کے حصول کیلئے جو ذرائع و وسائل اور مداوا تلاش کرتی ہے وہ ان بہت سے اجزا میں سے ایک جز ہے جو تقدیر الٰہی میں داخل ہیں:

﴿مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ﴾ (فاطر:۲)

اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے اپنی رحمت کا جو دروازہ بھی کھولتا ہے اسے کوئی بھی بند نہیں کر سکتا اور جو بند کرتا ہے اسے اس کے بعد کوئی کھول نہیں سکتا:

﴿وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ﴾ (النحل:۵۳)

تمہیں جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

ان آیات میں وہ تمام بھلائیاں شامل ہیں جو بندے کی ذات میں ہوتی ہیں اور اسے (بالفعل) حاصل ہوتی ہیں اور ان تمام نعمتوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن کا حصول پسندیدہ امر ہے یا ان کا عدم حصول ناپسندیدہ ہے کیونکہ ہر نعمت کے عطا کرنے یا نہ کرنے میں اللہ واحد کی ذات منفرد حیثیت کی مالک ہے۔ اس آیت کو دیکھئے:

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ط لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾

(فاطر: ۳)

کیا اللہ تعالےٰ کے سوا بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں زمین و آسمان سے رزق دیتا ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

جب کسی آیت میں کہیں "مِــــنْ" کا لفظ داخل ہوتا ہے تو وہاں عموم کو نصِ قطعی کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔اسی طرح اس آیت پر بھی نظر ڈالئے:

﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ﴾(الحآقۃ: ۴۷)

تم میں سے کوئی ایک بھی ہمیں روکنے والا نہ ہوتا

اسی سلسلے کی یہ آیت بھی پیشِ نظر رہے:

﴿وَمَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾(المائدہ: ۷۳)

اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے

اس کلیہ کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

## پانچواں قاعدہ

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مضاف اسی طرح عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جس طرح اسم جمع سے عموم مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿حُرِمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَ بَنَاتُكُمْ......الخ﴾(النساء: ۲۳)

تمہارے اوپر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں ـــ حرام کر دی گئی ہیں۔

یہ حکم ساری ماؤں کیلئے ہے جن کا تعلق اوپر تک ماں سے ہے (جیسے نانی وغیرہ) اور ہر بیٹی حرام ہے جس کا تعلق نیچے کی طرف تیرے ساتھ ہے (جیسے نواسی وغیرہ) نیز جن رشتہ دار عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سب پر یہ حکم حاوی ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾(النحل: ۵۳)

تمہیں جو نعمت بھی نصیب ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔

یہ دینی اور دنیوی تمام نعمتوں پر مشتمل ہے اور اسی طرح یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ (الانعام: ۱۶۲)

فرما دیجئے یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے

بیشک یہ آیت تمام نمازوں، تمام قربانیوں اور تمام امور کیلئے ہے یا جن کے بارے میں تو جوابدہ ہے، وہ سب کچھ جو اللہ کریم کے فضل واحسان سے تجھے دیا گیا اور تو نے اللہ کیلئے خلوص برتا جو وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے یہ سب اللہ کی عطا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کی یہ آیت بھی پیش نظر رہے:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی﴾ (البقرة: ۱۲۵)

اور مقام ابراھیم پر نماز پڑھیے۔

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ شعائرِ حج کے تمام مقامات پر مشتمل ہے جن کے بارے میں حکم دیا گیا کہ انھیں عبادت گاہ بناؤ اور اس سے زیادہ صریح یہ آیت ہے:

﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ (النحل: ۱۲۴)

پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملتِ ابراھیم کی پیروی کرو جو اللہ کی طرف یکسو تھے۔

یہ آیت ان تمام امور پر مشتمل ہے جن پر حضرت ابراھیم قائم تھے خواہ وہ توحید واخلاص ہو یا حقوق بندگی پر ثابت قدمی ہو۔ اس سے زیادہ عام اور زیادہ محیط یہ آیت کریمہ ہے جن میں انبیاء؈ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے:

﴿اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی پس تو بھی اُن کی ہدایت کی پیروی کر

پس اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ان تمام امور کی پیروی کا حکم دیا جن کا تعلق انبیاء کی ہدایت سے ہے۔ وہ نفع بخش علوم ہیں، تزکیۂ نفس کرنے والے اخلاق ہیں، صالح اعمال ہیں اور سیدھا راستہ ہے۔ یہ آیت کریمہ اصلِ معروف (احکامات کی بنیاد) کی ایک دلیل کی نشان دہی کرتی ہے یعنی پہلی شرائع میں جو احکامات مشروع تھے ہمارے لئے بھی وہی واجب العمل ہیں جب تک کہ ہماری

شریعت میں اس کے مخالف احکام نہ وارد ہوں اور پہلے انبیاء کی شریعتیں دین کے اصول اور فروعات میں ہماری راہنما ہوں گی اسی طرح اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے:

﴿اَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ (الانعام:۱۵۳)

بیشک یہی سیدھا راستہ ہے اسی کی پیروی کرو

یہ آیت اُن تمام احکامات کیلئے عام ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو دیئے ہیں خواہ وہ احکامات عمل درآمد کیلئے ہوں یا پرہیز کرنے کیلئے ہوں، عقائد کے سلسلے کے ہوں یا اطاعت و فرمانبرداری کیلئے ہوں۔ اللہ کریم نے اس آیت کریمہ میں اپنی ذات سے تعلق جوڑا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے یہ راستہ متعین فرمایا ہے جیسے انعام یافتہ لوگوں کی اضافت کا معاملہ اس آیت میں پیش آیا ہے:

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (فاتحہ:۷)

راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا

تا کہ وہ اس راستے پر چلنے والے ہوں یہ راستہ اُن لوگوں کا ہے جن پر اللہ تعالےٰ نے انعام کیا ہے وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور صالحین ہیں۔ یہ گروہ ہمیشہ علوم، اخلاق، اوصاف اور اعمال کے حاملین رہے ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا﴾ (الکھف:۱۱۰)

وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اس میں ساری ظاہری، باطنی، اعتقادی اور عملی عبادات داخل ہیں جس طرح اللہ سبحانہٗ تعالےٰ نے اپنے رسول ﷺ کے وصف بیان کرتے ہوئے اُن کی عبدیت کو اپنی ذات کے ساتھ مضاف کیا ہے ان آیات مبارکہ میں یہ بات آپ کو نظر آئیگی۔

(۱) ﴿سُبْحَانَ الَّذِي اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ (بنی اسرائیل:۱) پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔

(۲) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ (البقرۃ:۲۳) اگر تمہیں شک ہے اس بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا۔

(۳) ﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ ﴾ (الفرقان:۱) بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا۔

یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضور ﷺ نے عبودیت کے سارے مقامات کا حق ادا کر دیا تھا۔ عبودیت کے انہی حقوق کی کامل ادائیگی سے ہی آپ ﷺ کو بلند ترین مقامات حاصل ہوئے۔ اس آیت پر نظر ڈالئے:

﴿ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ﴾ (الزمر: ۳۶)

کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے؟

جب بندہ حقوق عبدیت کی ادائیگی میں جتنا زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ راست رو ہو گا اس کیلئے اللہ کی کفایت اتنی ہی کامل تر ہو گی اور اس سلسلے میں اس سے جتنی کوتاہی ہو گی اتنی ہی کفایت میں کمی ہو گی۔ ان آیات پر نگاہ ڈالئے:

(۱) ﴿ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴾ (القمر: ۵۰)

ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے جو پلک جھپکاتے عمل میں آ جاتا ہے۔

(۲) ﴿ إِنَّمَا أَمْرُنَا بِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (النحل: ۴۰)

ہمیں کسی چیز کو وجود میں لانے کیلئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا ہوتا کہ اسے حکم دیں ''ہو جا'' پس وہ ہو جاتی ہے۔

یہ آیات سارے تقدیری اور کونی امور کو شامل ہیں اور ایسا قرآن میں بہت سے مقامات پر واقع ہوا ہے۔

## چھٹا قاعدہ

### توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کے سلسلے میں قرآن کا طریقہ

سارا قرآن توحید کا اثبات اور شرک کی نفی کرتا ہے۔ اللہ کریم اکثر و بیشتر آیات میں توحید اور اللہ واحد لا شریک لہٗ کی خالص عبادت پر زور دیتا ہے اور ہمیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ سارے انبیاء اور رسولوں کو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ اپنی قوموں کو اللہ واحد کی عبادت کرنے اور اس کے

ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کی دعوت دیں اور یہ کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی ہی عبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے اور یہ کہ ساری کتابیں، سارے رسول بلکہ فطرت انسانی اور عقل سلیم اس اصل الاصول پر متفق ہیں کہ جو شخص اس دین جو سراسر اللہ واحد کی عبادت کرنے اور دل اور عمل کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کرنے کا نام ہے کو نہیں اپنائے گا اس کا عمل باطل ہوگا، فرمایا ارشاد گرامی:

(۱) ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ.﴾ (الزمر:۶۵)

اگر تو شرک کریگا تو تیرے سارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

(۲) ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُو يَعْمَلُوْنَ.﴾ (الانعام:۸۸)

اگر وہ شرک کرتے تو ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔

وہ بندوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ان کی فطرت اور عقل کے تقاضے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو تخلیق، تدبیر اور باطنی نعمتوں کے عطا کرنے میں منفرد تسلیم کیا جائے۔ وہی ہے جو عبادت کا واحد مستحق ہے۔ یہ بات نامناسب ہے کہ اللہ کے ماسوا کوئی اور ہستی کسی قسم کی عبادت کی مستحق قرار پائے اور مخلوق میں سے کسی کو بھی تخلیق پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے، نہ وہ اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ان میں سے کوئی اپنی تکلیف کو دور کرسکتا ہے کجا یہ بات کہ وہ اللہ کے ہاں غیروں کے کچھ بھی کام آسکے۔

اس اصل کی طرف دعوت دیتے ہوئے وہ خود اپنی رحیم و کریم ذات کی مدح وثنا کرتا ہے اور جو اپنی عظمت و بزرگی اور جلال و کمال کی صفات کے اعتبار سے اپنے آپ کو منفرد قرار دے اور جسے بلا شرکتِ غیرے یہ کمال مطلق حاصل ہو وہی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے قلوب اور اعمال کو صرف اسی کیلئے خالص کیا جائے۔ اس توحید سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ حاکیت صرف اسی ایک ذات کو زیبا ہے اور اس کے سوا نہ تو قانونی اعتبار سے اور نہ ہی بدلہ دینے والے کی حیثیت سے کسی اور کا حکم چلے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (یوسف:۴۰)

فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے اس کا حکم ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔

کبھی وہ توحید کی خوبیوں کا ذکر کر کے اس اصول کو ثابت کرتا ہے کہ صرف یہی ایک دین تمام بندوں پر شرعاً، عقلاً اور فطرتاً واجب ہے اور شرک اور اس کی قباحتوں کا بھی مساوی طور پر تذکرہ کرتا ہے اور اس بات کا بھی تذکرہ کرتا ہے کہ مشرکین کے دین میں خرابی، دلوں کے اُلٹ جانے کی وجہ سے ہوئی اور ڈھوروں اور ڈنگروں سے بھی گئے گزرے ہونے کے باعث اُن کے عقلوں میں فتور آ گیا۔

کبھی وہ دنیا اور آخرت میں بہترین جزا اور تینوں ادوار میں پاکیزہ زندگی کے ذکر کر کے دعوت دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس جلد یا بدیر سزاؤں کا ذکر کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ مشرکین اور اُن کی برائیوں کے کیسے برے انجام ہوئے۔ مختصر یہ کہ ہر بھلائی توحید کا ثمرہ ہوتی ہے خواہ وہ جلد حاصل ہو یا تاخیر سے ہو اس طرح ہر برائی شرک کا ثمرہ ہے خواہ وہ جلد ملے یا دیر سے۔ واللہ اعلم۔

## ساتواں قاعدہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں قرآن کا طریقہ

قرآن حکیم میں یہ عظیم بنیادی اصول مختلف انداز میں جا بجا نظر آتا ہے جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے خبر دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے اور انبیاء نے جو دعوت پیش کی ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کی طرف لوگوں کو بلایا ہے اور وہ تمام خوبیاں جو تمام انبیاء کے اندر موجود تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اُن تمام کے جامع تھے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور جن معائب اور کمزوریوں سے تمام انبیاء منزہ تھے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن سے پاک ہونے کے زیادہ مستحق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام شرائع پر محافظ ونگہبان ہے (جامع ہے) اور آپ کی کتاب (قرآن حکیم) تمام کتابوں کی محافظ ونگہبان ہے۔ اللہ کریم نے پہلی کتابوں اور دینوں کی خوبیوں کو اس کتاب اور اس دین میں جمع کر دیا ہے اور اپنے جن محاسن اور اوصاف کے اعتبار سے اسے فوقیت حاصل ہے وہ اس کے سوا اور کسی کتاب یا دین میں نہیں پائے

جاتے۔آنجناب ﷺ کی نبوت کا ثبوت یہ ہے کہ آپؐ امی ہیں، نہ تو آپ ﷺ لکھ سکتے ہیں اور نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ ﷺ پہلی کتابوں کے کسی عالم کے پاس بیٹھے ہیں (زانوئے تلمذتہ کیا ہے) بلکہ آپؐ نے اچانک اپنی بعثت کا اعلان کیا اور ایسی کتاب پیش کی کہ جس کے مقابلے کیلئے تمام انسان اور جن مجتمع ہو کر اس جیسی کتاب لانے کی سعی کریں تو وہ نہیں لاسکیں گے اور نہ وہ اس پر قادر ہوں گے بلکہ اگر یہ تمام ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں تو پھر بھی یہ بات ان کی استطاعت سے باہر ہوگی۔جس طرح یہ بات ناممکن ہے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے پاس سے اسے پیش کیا ہے یا اپنے رب پر جھوٹا بہتان باندھا ہے یا غیب کے معاملے میں آپ کو کوئی شک ہے۔قرآن میں اس امر کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے، اس کی ابتداء بھی اس طرح ہوئی اور اسے اصول مسلّمہ کے طور پر برقرار رکھا گیا ہے۔قرآن حکیم نے پہلے انبیاءؑ کے قصص لوگوں کے مجمع میں اس طرح بیان کئے کہ لوگوں میں سے کسی کو کوئی شک نہ رہا۔پھر فرمایا کہ وحی کے بغیر ان قصص تک پہنچنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں ہے۔جس طرح حضرت موسیٰؑ کے طویل قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ﴾ اور جب حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا تو فرمایا:

﴿وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ﴾ (یوسف :۱۰۲)

اور تم اس وقت موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائی آپس میں اتفاق کر کے سازش کر رہے تھے۔

یہ تفصیلی معاملات اور واقعات جن کو اللہ کا رسول ﷺ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے یہ ایسے ہی تفصیل کے ساتھ بذریعہ وحی نازل ہوتی تھیں۔قرآن حکیم کے ذریعے ان قصوں سے اہل کتاب کی کتابوں میں موجودہ تبدیل شدہ اور اضافہ شدہ فضول باتوں اور قصہ کہانیوں کی تصحیح ہوتی ہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی ماں کے متعلق باتوں، ان کی ولادت اور ان کی نشوونما کے بارے میں صحیح صورت حال سامنے آتی ہے اسی طرح حضرت موسیٰؑ، اُن کی ولادت اور اُن کی نشوونما کا حال ہے۔

یہ تمام باتیں قرآن حکیم کے آنے تک اہل کتاب کو معلوم نہیں تھیں۔قرآن نے اُن کے سامنے

وہ تمام واقعات اور نتائج بیان کیے جنھوں نے اہل کتاب اور دوسرے لوگوں کو دہشت زدہ کر دیا اور اُن کی زبانوں کو گنگ کر دیا، یہاں تک کہ اس زمانے کے یا بعد میں آنے والے لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ طاقت نہ ہو سکی کہ وہ اُن میں سے کسی ایک کو بھی جھٹلا سکے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے نبیء برحق ہونے کی واضح دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

کبھی اللہ تبارک وتعالےٰ اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے حضور ﷺ کی نبوت کا اثبات فرماتے ہیں۔ اپنے رسول کی تائید، دشمنوں کے مقابلے میں اُن کی نصرت اور زمین میں اُن کا اقتدار اللہ عزیز وحکیم کی حکمت اور رحمت کا کامل مظاہرہ ہے۔

"بعض اوقات اللہ کریم کی حکمت اور قدرتِ کاملہ سے حضور ﷺ کی نبوت کے ثبوت کے طور پر یہ بات وقوع پذیر ہوئی کہ اللہ تعالےٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ ﷺ کی تائید ونصرت فرمائی اور زمین پر غلبہ اور اقتدار عطا فرمایا۔ یہ بات اللہ عزیز الحکیم کی حکمت کا اقتضا تھا اور جس نے حضور ﷺ کی رسالت میں نقص نکالا اس نے اللہ تعالےٰ کی حکمت، قدرت اور رحمت کی تنقیص کی بلکہ اللہ تعالےٰ کی ربوبیت میں عیب نکالا۔"

اسی طرح روئے زمین کی سب سے زیادہ طاقتور قوموں کے مقابلے میں حضور نبیء اکرم ﷺ کی علے الاعلان تائید ونصرت بھی حضور ﷺ کی رسالت کی نشانیوں میں سے ہے اور اللہ کی توحید کا ثبوت بھی ہے۔ اسی طرح یہ بات مذبذب لوگوں کیلئے حضور ﷺ کی صداقت کا واضح ثبوت تھا۔

کبھی حضور ﷺ کی نبوت اور رسالت کا ثبوت آپ ﷺ کے اُن کمال درجے کے اوصاف سے مہیا ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی ذات میں جمع کر دیے گئے ہیں جن کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اُن کمال درجے کے اوصاف میں سے ایک اخلاق حسنہ ہے جس کے حضور ﷺ حامل تھے۔ اللہ کی ساری مخلوق بہت جلیل القدر اور عظیم ہے اور حضور کریم محمد رسول اللہ ﷺ اس ساری مخلوق کے بلند ترین اور کامل ترین فرد ہیں، جس نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں کوئی عیب نکالا، اس نے اللہ احکم الحاکمین کی حکمت، قدرت، رحمت بلکہ اس کی ربوبیت میں عیب نکالا۔ جن صفات اور محامد میں آپ ﷺ ساری مخلوق پر فوقیت رکھتے ہیں اُن سب سے بلند تر صفات صدق

اور امانت ہیں۔کیا یہ سب سے بڑی دلیل اس بات کی نہیں کہ آنحضور ﷺ اللہ رب العالمین کے رسول ہیں اور ساری مخلوق سے منتخب اور صاحب اختیار ہیں؟۔

کبھی جناب رسالتمآب ﷺ کی نبوت کا اثبات اوّلین کتب اور پہلے انبیاء اور رسولوں کی بشارت سے ہوتا ہے یا تو جناب کا لقب یا آپ کے جلیل القدر اوصاف یا آپ کی امت کے اوصاف یا آپؐ کے ماحول کے تذکرہ سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾ (الصف:٦)

میں بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا

کبھی جناب ﷺ کی رسالت کا اثبات ماضی اور مستقبل کے اُن چھپے ہوئے واقعات کے تذکرہ سے ہوتا ہے جو اپنے اپنے زمانوں میں وقوع پذیر ہوئے یا ہوں گے اور اُن واقعات کے ذکر سے بھی ہوتا ہے جو ہر وقت واقع ہوتے رہتے ہیں۔اگر وحی کا سلسلہ نہ ہوتا تو اُن تک کسی کی کچھ رسائی نہ ہوسکتی تھی، نہ تو آنحضور ﷺ کو خود اور نہ ہی کسی اور کو اُن واقعات کے جاننے کا راستہ معلوم ہوسکتا۔کبھی آپ کی نبوت کو مخلوق سے آپ کی حفاظت اور بچاؤ کے ذریعے سے ثابت کیا جاتا ہے، باوجود یکہ دشمن آپ کی جان کے پیاسے تھے اور حملہ آور ہوتے رہتے تھے اور اپنی استطاعت بھر آپ ﷺ سے الجھنے کی پوری پوری کوشش کرتے رہتے تھے۔اللہ کریم نے اُن دشمنوں سے آنحضور ﷺ کی حفاظت اور بچاؤ کا انتظام فرمایا اور اُن کے مقابلے میں نصرت کاملہ عطا فرمائی، یہ محض اس لئے ہوا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول تھے اور اللہ کی وحی کے امین تھے اور اللہ کے احکامات کے پہنچانے والے تھے۔کبھی آپ ﷺ کی رسالت کا اثبات آپ کی عظیم الشان چیز کے تذکرہ سے ہوتا ہے جس کو ساتھ لے کر آپ ﷺ مبعوث ہوئے۔اور وہ قرآن عظیم ہے:

﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ (حم سجدہ:۴۲)

جس پر باطل نہ تو سامنے سے حملہ آور ہوسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے وہ دانا اور ستودہ صفات ہستی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

قرآن حکیم اپنے دشمنوں اور نہ ماننے والوں کو چیلنج دیتا ہے کہ اس جیسا قرآن تیار کر کے لاؤ، یا اس جیسی دس یا ایک ہی سورہ بنا کر لاؤ پس وہ عاجز آ گئے اور سر افگندہ، خائب وخاسر اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہے، وہ خطابت وفصاحت کے میدان میں مشہور اہل زبان تھے باوجود اس کے کہ انہیں ایسی سورۃ پیش کرنے کی بڑی حرص تھی اور انہوں نے بڑی کوشش بھی کی مگر وہ ایسا کر نہ سکے۔ وہ اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود قرآن حکیم میں کوئی نقص یا عیب نہ نکال سکے جس سے اسے فصاحت کے اعلیٰ درجے سے گرایا جا سکے۔ یہ چیز اُن کے دلوں کا ناسور بن چکی تھی۔ اب وہ جنگ وجدل اور قتل وغارت پر اُتر آئے اگر وہ لسانی جدال کی طرف کوئی راستہ پاتے تو وہ جنگ وقتال کی طرف مائل نہ ہوتے۔ وہ آپ کو علم وحکمت کے میدان میں اپنا حریف نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایسا دشمن سمجھتے تھے جس کا مقابلہ تیغ وتفنگ اور قتل وغارت سے کیا جا سکتا تھا، یہ بات آنحضور ﷺ کی سچائی پر بہت بڑی دلیل ہے:

﴿ لَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾(النّجم: ۳،۴)

اور بے شک وہ اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتا مگر وہ اس وحی کی بنا پر بات کرتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ہدایت نامہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین کیلئے کتاب اللہ کی شکل میں جمع کیا ہے تاکہ وہ انہیں تمام احوال میں دنیا وآخرت کی سعادت مندیوں سے بہرہ ور کرے اور یہ قرآن اپنی تمام علوِ مرتبت اور عمومیت کے لحاظ سے حضور کی رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کئی مقامات پر اس بات پر اصرار فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سچائی کی واحد دلیل قرآن حکیم ہے جو مکمل طور پر کفایت کرتی ہے مثلاً:

﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾(العنکبوت:۵۱)

کیا یہ بات اُن کیلئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے تیرے اوپر وہ کتاب نازل کی ہے جو اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں مومنوں کیلئے رحمت اور نصیحت ہے۔

کبھی خوارق العادت معجزات اور کرامات جو آپ ﷺ کے دست مبارک پر ظہور پذیر ہوئے ہیں آپ ﷺ کی رسالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں اُن میں سے ہر ایک انفرادی دلیل ہے اور جب مجموعی طور پر دیکھا جائے تو صادق المصدوق رسول اللہ ﷺ جو اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتا مگر وہی بات کرتا ہے جو اُسے وحی کی جاتی ہے کی نبوت پر کتنے بڑے دلائل ہوں گے۔

کبھی اللہ کی مخلوق پر کمال شفقت کے ذریعے سے آپ ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا جاتا ہے؛ اپنی امت پر کمال شفقت کا میلان اور یہ کہ آپ ﷺ مومنوں پر بڑے شفیق اور مہربان ہیں آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر مخلوق پر شفقت ، بھلائی اور احسان کا علمبردار نہ تو پایا گیا نہ پایا جائے گا۔ اس کے آثار دیکھنے والوں پر ظاہر تھے یہ امور اور یہ طریقے اللہ کریم نے اپنی کتاب میں کثرت سے بیان فرمائے ہیں اور متنوع عبارات ، تفصیلی معانی اور عجیب عجیب اسالیب اور بے حد و نہایت مثالوں کے ذریعے ان کا تسلسل قائم رکھا ہے۔ واللہ اعلم

## آٹھواں کُلیہ

### قیامت کے اثبات کے سلسلے میں قرآن کا طریقہ

جن اصولوں یعنی توحید، رسالت، قیامت اور روزِ محشر پر انبیاء اور شریعتیں متفق ہیں ان میں سے یہ تیسرا اصول ہے اور اس کا تذکرہ اللہ کریم نے اپنی کتاب حکیم میں کثرت سے کیا ہے اور اسے مختلف طریقوں سے ثابت کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے بارے میں سب سے زیادہ سچی بات کہنے والے نے خبر دی ہے اور جو کچھ اس دن پورا پورا بدلہ دیا جانے والا ہے اس کے بارے میں ٹھیک ٹھیک بتا دیا ہے۔ اور اس کا بہت زیادہ ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم میں تین طریقوں پر قسم اٹھائی ہے جیسے:

﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (القیامت:۱)

نہیں! میں قیامت کے دن کی قسم اٹھاتا ہوں۔

ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی منشاء پوری ہونے کی خبریں ہیں اور اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ موت کے بعد بندوں کا دوبارہ جی اٹھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار میں سے ہے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ بندے کی پہلی پیدائش پر توجہ دلا کر اُسے نصیحت کی جائے کہ جب وہ کچھ بھی نہیں تھا تو اُسے عالمِ وجود میں لایا گیا تھا اس لئے لازمی ہے کہ اسے دوبارہ پیدا فرمائے جیسے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا گیا اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کیلئے زیادہ آسان ہے۔ اس بات کو کئی مواقع پر مختلف اسالیبِ بیان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ایک طریقہ یہ بھی اپنایا گیا ہے کہ بے برگ و گیاہ زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کرنے کے عمل سے قیامت کا اثبات کیا گیا ہے یعنی جس ہستی نے مردہ زمین کو زندہ کیا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کریگا۔ اللہ کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سے بھی بڑھ کر آسمانوں اور عظیم مخلوقات اور زمین کی تخلیق سے قیامت کا اثبات کیا ہے۔ فلاسفہ نے کب اس طرح کا اثبات کیا ہے حالانکہ اس سے انکار نہیں کر سکے۔ پس وہ کس بل بوتے پر مُردوں کے جی اٹھنے کو بعید از امکان سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کریم نے قیامت کو اپنی وسیع تر علم اور کمالِ حکمت کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ نہ تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے مناسب تھی اور نہ ہی موزوں کہ وہ اپنی مخلوق فضول اور بے مقصد پیدا کرتا اور انہیں اوامر اور نواہی کے احکامات دیئے جاتے اور اُنہیں اُن پر ثواب اور عذاب دیا جاتا۔ اللہ کریم نے اس طریقے سے نبوت اور قیامت کا اثبات کیا ہے۔

جن دلائل سے مردوں کا اٹھایا جانا اور نیکوکار لوگوں کو اُن کی نیکیوں اور برے لوگوں کو اُن کی برائیوں کا بدلہ دیا جانا ثابت کیا جاتا ہے اس سے زمانہءِ ماضی کی اقوام اور گذشتہ نسلوں کے عبرت اموز تاریخی واقعات اور سننِ الٰہیہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ کس طرح انبیاء اور اُن کے پیروکاروں کو نجات دی گئی اور کس طرح جھٹلانے والے اور دوبارہ اُٹھائے جانے کو نہ ماننے والے ہلاک کیے گئے اور اُن پر مختلف قسم کی سزائیں اور عذاب مسلط کیے گئے۔ پس یہ جلد ملنے والا بدلہ تھا اور آخرت کے بدلے کا ایک نمونہ اللہ کریم نے اپنے بندوں کو دکھایا تا کہ جو دلیل سے ہلاک ہو وہ ہلاک ہو جائے اور جو دلیل سے زندہ ہو وہ زندہ ہو جائے۔

اسی قبیل سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا میں بھی احیاء موتےٰ کا نظارہ کرایا ہے جس طرح قرآن حکیم کی سورہ بقرہ میں گائے کے ذبح کرنے کا واقع بیان ہوا ہے کہ ایک مردہ (مقتول) اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور جس طرح بنی اسرئیل کے ہزاروں مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کر دیا اور جس طرح حضرت عزیزؑ کو کھنڈرات میں سے گذرتے ہوئے موت کی نیند سلا کر سو سال کے بعد زندہ کر دیا تھا اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کا پرندوں کو زندہ کرنے کا واقعہ اور حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ واقعات سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے بندوں کو احیاء موتی کا نظارہ کرایا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے اور اقتدار والے ہیں اور یہ کہ بندوں کیلئے آخرت میں پیش ہونا لابدی ہے پھر یا جنت مقدر میں ہوگی یا دوزخ۔ قیامت کے اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ بیان کر کے پھر کئی مواقع پر اس کا بار بار اعادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم

## نواں قاعدہ

مومنوں کو شرعی احکامات کا حکم دینے اور خطاب کرنے کا قرآن کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے کی طرف احسن طریقے سے بُلانے کا حکم دیا ہے یعنی جو طریقہ موزوں تر ہو اور جس سے مطلوبہ منزلِ مقصود حاصل ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شرعی احکامات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جو راستے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں وہ بہتر اور موزوں تر ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس صفت کے ذریعے اپنے بندوں کو نیکی کی دعوت دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے وہ ایمان ہے جس کا اس نے ان پر احسان کیا ہے۔ کبھی وہ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! فلاں فلاں کام کرو، کبھی وہ حکم دیتا ہے کہ فلاں کام کو چھوڑ دو اس طرح وہ انہیں دو پہلوؤں کی طرف دعوت دیتا ہے۔

پہلا یہ کہ وہ انہیں ایمان کے تقاضے، اس کی شرطیں اور تکمیل کے مراحل پورا کرنے پر ابھارتا ہے گویا کہ وہ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! اُٹھ کھڑے ہو جیسا کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کے اوامر پر عملدرآمد ہو، اس کی مناہی سے پرہیز کیا جائے، تمام اخلاق حمیدہ کو اپنے اندر پیدا کیا

جائے اور تمام اخلاق رزیلہ سے پرہیز کیا جائے کیونکہ حقیقی ایمان اسی بات کا متقاضی ہے۔ اس لئے سلفِ صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ ایمان کم وبیش ہوتا رہتا ہے اور یہ کہ دین کے سارے احکامات خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، وہ ایمان اور اس کے لوازمات میں سے ہیں۔ کتاب وسنت کے بہت سے دلائل اس اصل پر دلالت کرتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالے مومنوں کو یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر اپنا حکم صادر فرماتے ہیں یا اُسے ایمان سے مشروط کر دیتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو کہہ کر مومنوں کو پکاریں کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو یا اُسے ایمان سے مشروط کر دیا جاتا ہے، انہیں سب سے بڑا احسان جتلا کر دعوت دی جاتی ہے یعنی انہیں کہا جاتا ہے کہ اے وہ لوگو! جن پر اللہ نے عظیم احسان کیا ہے اللہ کی اس نعمت کے شکرانہ ادا کرنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہو، یہ کام کرو اور وہ کام چھوڑ دو۔

پس پہلی بات مومنوں کو ایمان کی تکمیل کی دعوت اور ظاہری اور باطنی احکامات کی تکمیل ہے اور دوسری بات انہیں ایمان والی اس نعمت کے شکرانے کی دعوت ہے اس شکر کے ادا کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ احکم الحاکمین کے اوامر ونواہی کے سامنے پوری پوری فرمانبرداری کی جائے۔ کبھی وہ نیکی کے اثرات اور اُن کے جلد یا بدیر بہترین نتائج کا ذکر کرتا ہے اور کبھی وہ برائی کے اثرات اور دنیا اور آخرت میں اس کے بُرے نتائج کا تذکرہ کرتا ہے، مومنوں کو نیکی کی دعوت دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ کبھی وہ اس کی طرف اپنی مختلف اقسام کی نعمتوں اور بڑے بڑے انعامات کا تذکرہ کر کے احکامات کی پیروی کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ نعمتیں اس کا شکر ادا کرنے کیلئے کھڑے ہونے کا تقاضا کرتی ہیں اور شکر ایمان کے حقوق ادا کرنے کی مساعی کا نام ہے اور کبھی جنت کی رغبت دلا کر اور عذاب کا خوف دلا کر اور یہ ذکر کر کے کہ اللہ تعالے نے فرمانبردار مومنین کیلئے کیا کچھ اجر وثواب تیار کر رکھا ہے اور گناہ گاروں کیلئے کیا کچھ عذاب تیار کر رکھا ہے احکامات کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔

کبھی اپنے اسماءِ حسنیٰ کے ذکر سے اطاعت کی دعوت دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اپنے بندوں پر اللہ تعالے کا بڑا حق کیا ہے؟ اللہ تعالے کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر اس کی

بندگی کیلئے کھڑے ہوں؛ اللہ واحد کی پرستش کریں اس کے اسماءِ حسنیٰ اور پاکیزہ صفات کے ساتھ اُسے پکاریں۔ عبادات کیا ہیں؟ اللہ تعالےٰ کا شکرادا کرنے، اس کی عظمت و کبریائی، اس کی بزرگی و تکریم بجا لانے اوراس کی محبت اور قرب کے حصول کا نام ہے۔

وہ کبھی اپنی بندگی اور اطاعت کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اُسے اپنا دوست، جائے پناہ، اپنا ملجا و ماویٰ اور زندگی کے تمام امور میں اپنا مرجع بنائیں اور ہر معاملے میں اسے ہی فریاد رس مانیں اور وہ انہیں خبر دیتا ہے کہ بندہ کی اصل سعادت مندی اور اس کی فلاح و کامرانی اسی میں ہے اور یہ بھی خبر دیتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالےٰ کی دوستی اور حفاظت میں داخل نہ ہوئے تو ان کا دشمن ان کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا لے گا جوان کیلئے شر اور بدبختی چاہتا ہے اور انہیں طرح طرح کی جھوٹی امیدوں اور دھوکوں کے چکر میں ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ ان کے سارے مفادات اور ان کی ساری مصلحتیں ضائع کر دیتا ہے اور انہیں ہلاکتوں میں پھینک دیتا ہے۔ یہ ساری باتیں قرآن حکیم میں مختلف عبارات میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔

کبھی ان امور پر ابھارتا ہے اور انہیں غافلوں اور سر پھرے انسانوں کی مشابہت سے بچنے اور منحرف ادیان سے پرہیز کیلئے کہتا ہے تاکہ انہیں وہ بدبختی نہ لاحق ہو جائے جن سے اُن قوموں کو سامنا کرنا پڑا تھا۔ جیسے یہ ارشادات :

(۱) ﴿ وَلَاتَكُن مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ اور خسارہ پانے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

(۲) ﴿ وَلَاتَكُنْ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور ظالموں میں سے نہ ہو جانا۔

(۳) ﴿ وَلَاتَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ﴾ اور غافلوں میں سے نہ ہو جانا۔

(۴) ﴿ اَلَـمْ يَانِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَـكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ (الحدید: ۱۶)

کیا ایمان لانے والوں کیلئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اوراس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت اُن پر گذر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔

## دسواں قاعدہ

اختلاف مذاہب کے باوجود کفار کو قرآن حکیم کی دعوت کے طریقوں کے بارے میں

اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور دین کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اور رسالت محمدی کے دلائل دیتے ہوئے قرآن حکیم کفار کو ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے تا کہ جو حق و انصاف پر چلنے کا ارادہ رکھتے ہوں انہیں سیدھا راہ دکھائے اور دشمنان حق پر حجت قائم کرے۔ یہ تمام اعدائے اسلام کو دعوت دینے کا بہترین طریقہ ہے۔

دین اسلام اور حضور نبی ء اکرم ﷺ کی خوبیوں، نشانیوں اور دلائل میں دعوت کیلئے کافی اور وزنی دلائل موجود ہیں قطع نظر اس کے کہ قرآن اُن کے شبہات اور اُن کے دلائل کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ حق جب واضح ہو جاتا ہے تو جو بھی حق کے مخالف ہوتا ہے وہ باطل اور گمراہی قرار پاتا ہے۔

اس دعوت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اقوامِ عالم کے واقعات اور اُن پر دنیا اور آخرت کے ہلاکت خیز عذاب اور جھوٹے مذاہب میں موجود طرح طرح کی برائیوں اور اُن کے برے انجام سے ڈرایا جائے کیونکہ ان ادیان باطلہ کی بنیاد غفلت شعاری، کائناتی آثار اور علمی واضح نشانیوں کی تکذیب پر ہوتی ہے جو جہالت، آباؤ اجداد، مشائخ، رؤساء اور لیڈروں کی اندھی تقلید کے زیر اثر پروان چڑھتی ہے۔

قرآن انہیں ایسے لیڈروں کی اطاعت سے ڈراتا ہے کیونکہ وہ برائی کے راہنما اور دوزخ کے داعی ہیں۔ لازمی طور پر ان کی جانیں اپنے اعمال کی وجہ سے دکھوں میں مبتلا ہوں گی اور وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کی بدولت حسرت و افسوس سے ہاتھ ملیں گے اور وہ تمنا کریں گے کہ کاش انہوں نے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور برائی کے راہنماؤں اور سرداروں کی پیروی نہ کی ہوتی۔ ان کے ساتھ اُن کی محبت اور دوستی اُن سے بغض اور عداوت میں تبدیل ہو جائے گی۔

قرآن جس طرح مومنوں کو انعامات اور نعمتوں کی یاد دلا کر دعوت دیتا ہے اسی طرح تخلیق و تدبیر کائنات میں منفرد ہونے اور ظاہری و باطنی نعمتوں کے منعم حقیقی ہونے کی یاد دہانی کراتا ہے

اور دعوت دیتا ہے کہ بندوں پر اس کی فرماں برداری واجب ہے اور اس کے احکامات کو بجالانا اور اس کے نواہی سے بچنا ضروری ہے۔

قرآن مذاہب باطلہ کی خرابیوں اور قباحتوں کے احوال کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر کے دعوت پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام کے محاسن پیش کر کے جو فرق ہے اسے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آسکے کہ کیا چیز ترک کرنے کے قابل ہے اور کس بات کو اپنا لینا واجب ہے۔ اس طرح سے قرآن خوب تر کو اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

جب ان سے عناد اور کھلم کھلا ضد کا ظہور ہوتا ہے تو انہیں اس رویتے کے برے انجام سے ڈراتا ہے اور جس راستے پر وہ چل رہے ہیں اس کی حقیقتِ حال کھول کر بیان کرتا ہے کہ انھوں نے دین کی مخالفت جہالت اور گمراہی یا کسی شبہ کی وجہ سے نہیں کی اگر ایسا ہوتا تو اُن کے بارے میں توقف ضروری ہوتا، بلکہ یہ مخالفت تو صاف انکار، ضد اور عناد کی بنا پر ہے۔

قرآن حکیم اُن کیلئے ان اسباب کو بھی واضح کرتا ہے جو انہیں ہدایت کی پیروی سے روکتے ہیں، یہ اُن کی چودھراہٹ اور ان کی نفسانی خواہشات ہیں اور جب انھوں نے باطل کو حق پر ترجیح دی تو اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ہدایت کا راستہ اُن کیلئے بند کر دیا۔ یہ اُن کے ہدایت سے منہ موڑنے اور شیطان سے دوستی لگانے کے جرم کی سزا دی گئی اور انہیں اللہ رحیم ورحمٰن سے روگردانی کے انجام سے دوچار ہونا پڑا اور انہیں اس طرف پھیر دیا گیا جس طرف وہ پھرے۔

قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر تفصیل کے ساتھ یہ عظیم مضامین پیش فرمائے گئے ہیں۔

پس قرآن میں غور وفکر سے کام لو گے تو ان مضامین کو پوری وضاحت کے ساتھ پاؤ گے۔ واللہ اعلم

## گیارہواں قاعدہ

جس طرح مفسر قرآن الفاظ پر دلالت کرنے والی مطابقت اور اس ضمن میں دیگر باتوں کا لحاظ رکھتا ہے اسی طرح اس پر یہ بھی لازم ہے کہ اُن کے معانی کے لوازم اور ان کے تقاضوں کا بھی خیال رکھے جو فوری طور پر لفظ سے ذہن میں نہیں آتے۔

یہ قاعدہ اصولِ تفسیر کے جلیل القدر اور نہایت ہی نفع بخش قواعد میں سے ہے۔ یہ قاعدہ قوتِ

فکر، بہترین غور وفکر اور ارادہ کی درستی کا متقاضی ہے۔پس وہ ہستی جس نے اس قرآن کو سراپا ہدایت اور رحمت کی غرض سے نازل کیا ہے ساری چیزوں کا علم رکھتی ہے۔اس کا علم سینے کے بھیدوں پر محیط ہےاور قرآن جن معانی کا متضمن ہےاور جو کچھ ان کے سیاق وسباق میں ہےاور جن امور پر ان معانی کا دارومدار ہےاللہ تعالیٰ کا علم ان ساری باتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

لہٰذا علماء اس پر متفق ہیں کہ اسی سبب سے کلام اللہ میں لوازمات کے ذریعے استدلال کیا جاتا ہے۔

اس نفع بخش اصول پر چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ جن معانی پر دلالت کرتا ہےان کو سمجھا جائے، جب اچھی طرح سمجھ آ جائیں تو ان امور پر غور کیا جائے جن پر ان معانی کا دارومدار ہےاور جو اُن کی شرائط ہیں ان کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔اسی طرح یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اس سے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں اور کیا جزئیات متفرع ہوتی ہیں اور ان پر کن امور کی بنیاد رکھی جاتی ہے، ایسا غور وفکر اکثر کیا جائے اور ہمیشہ کیا جائے یہاں تک کہ تجھے دقیق معانی پر فکر وتدبر کا مکمل ملکہ حاصل ہو جائے کیونکہ قرآن حق ہےاور قرآن کے لوازم بھی حق ہیں اور حق پر جو موقوف ہوتا ہے وہ بھی حق ہےاور جو حق سے متفرع ہوتا ہے وہ بھی حق ہے۔یہ ساری باتیں حق ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں جو اس طریقے پر چلا اور اللہ تعالےٰ نے اسے توفیق بھی دی اس کیلئے قرآن کے علوم نافع، بلند مرتبت معارف، بلند اخلاق اور اعلےٰ کریمانہ آداب کے دروازے کھل گئے۔اس اصول کی وضاحت مندرجہ ذیل مثالوں سے ہوگی۔

اللہ تعالےٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں ''الرّحمٰن الرّحیم'' ہے۔اس میں لفظ رحمٰن وسعتِ رحمت پر دلالت کرتا ہے۔جب تو نے جان لیا کہ یہ ایسی رحمت ہے جس کے مشابہ اور کوئی رحمت نہیں ہے، یہ اس کی قائم و دائم صفت ہےاور یہ کہ اس کی رحمت ساری مخلوق کو پہنچتی ہےاور کوئی مخلوق اس کی رحمت سے ایک لحہ کیلئے بھی محروم نہیں رہ سکتی۔ تجھے یہ معلوم ہوگیا کہ یہ صفت اس کی حیات و قدرت کے کمال، اس کے علم کی وسعت، اس کی مرضی کی تکمیل اور اس کے کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے۔یہ ساری چیزیں اس کی رحمت پر موقوف ہیں پھر اس کی رحمت کی وسعت اس کے احکام میں نورانیت اور رحمت پر دلالت کرتی ہے۔لہٰذا اللہ تعالےٰ نے بہت سے شرعی احکام کی

علت رحمت و احسان کو قرار دیا ہے کیونکہ یہ اس کی رحمت کا تقاضا اور اثر ہے۔

یہ آیت کریمہ پڑھیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا﴾(النساء:۵۸)

بیشک اللہ تعالےٰ تمہیں امانتوں کو اُن کے اہل کے حوالے کرنے کا حکم دیتا ہے۔

جب تو نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالےٰ امانات کو اُن کے اہل کے حوالے کرنے کا حکم دیتا ہے اس سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ امانتوں کی حفاظت واجب ہے انہیں ضائع کرنا، ان میں زیادتی یا گڑ بڑ کرنا ممنوع ہے بیشک تو امانات کے ادا کیے بغیر اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل نہیں کرسکتا۔

جب تجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ نے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص کو لوگوں کے درمیان چھوٹے بڑے امور میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اسے ان تمام امور کا علم ہونا چاہیے اگر عمومی حاکم ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام علم حاصل کرے جو اس کو اس عہدے کا اہل بنا دے اور اگر وہ بعض جزی امور کا فیصلہ کرنے والا ہو جیسے میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا معاملہ ہے جہاں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ایک آدمی بیوی کے خاندان سے ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایسے متاہلی زندگی کے معاملات کو جاننے والا ہو جس میں وہ حکم بنا ہے اور وہ طریقہ جانتا ہو جو اسے بہتری کی طرف راہنمائی کرے۔ اسی طرح معاملہ طلب علم کے واجب ہونے کا ہے بیشک ضروری علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں بہت سے امور کے کرنے کا حکم دیا ہے اور بہت سی باتوں سے منع کیا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے پرہیز کرنا اس بات منحصر ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان کی پہچان کا علم ہو، پس ایک جاہل آدمی کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائیگا جسے وہ پہچانتا نہیں ہے یا وہ اس بات سے پرہیز کرسکتا ہے جسے وہ جانتا ہی نہ ہو۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کیلئے کہا ہے اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ معروف اور منکر کا علم رکھتا ہو تا کہ معروف کا حکم دے سکے اور منکر سے روک سکے۔ جس بات کے بغیر واجب کی ادائیگی ناممکن ہو وہ بھی واجب ہے اور جس کام

کے بغیر منکر سے بچا نہ جا سکے وہ بھی واجب ہے۔

پس ایمان اور عمل صالح کا علم اس پر عمل پیرا ہونے سے مقدم ہے اسی طرح ان کی متضاد باتوں کا علم بھی ان کے چھوڑنے سے پہلے مقدم ہے کیونکہ جس بات کو بندہ نہیں پہچانتا اس کو اسے چھوڑنا محال ہے خواہ وہ ارادتاً ایسا کرنا چاہتا ہو یا قرب حاصل کرنا چاہتا ہو یا بندگی کا اظہار کرنا چاہتا ہو، یہاں تک کہ دوسری چیزوں سے وہ اسے پہچان سکے اور تمیز کر سکے۔ اس سلسلے میں جہاد کا حکم اور اس پر آمادہ کرنے کا معاملہ ہے۔ جہاد کے حکم کے ساتھ ہی وہ سارے امور لازم ہو جاتے ہیں جن کے بغیر جہاد نہیں کیا جا سکتا۔ تیر چلانے اور اس کے متعلقہ جملہ امور، سواری کرنے اور اس سے متعلقہ ساری باتیں، ہتھیاروں اور ان کی صنعت کے عمل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پیروی کے زمرے میں آتی ہیں۔

﴿اَعِدّو لَهم مَا سْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال: ٦٠)

(اور جہاں تک تمہارا بس چلے ان کے مقابلے کیلئے زیادہ سے زیادہ طاقت بہم پہنچاؤ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو)

کیونکہ ان امور میں عقلی، بدنی، سیاسی، صناعی، مالی اور ان جیسی ساری صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اہلِ علم کی شہادت پیش کی ہے اور ان کی گواہی کو اپنی گواہی اور فرشتوں کی گواہی کے بالکل قریب بیان کیا ہے، یہ چیز ان کی عدالت پر دلیل ہے اور یہ کہ وہ اس کی آیات و دلائل کی تکذیب کرنے والوں پر اللہ کی حجت ہیں۔

اسی قبیل سے اللہ رحیم و رحمٰن کے بندوں کی اس سے یہ دعا بھی ہے کہ انہیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے، اللہ تعالیٰ سے ان کا یہ سوال عظیم الشان علوم و معارف، اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ کا مقتضی ہے اس لئے کہ ان فضائل کے بغیر امامت تکمیل پذیر نہیں ہوتی ہے کیونکہ بندہ اپنے رب سے اس چیز کا سوالی ہوتا ہے جن کے بغیر امامت مکمل نہیں ہوتی، جیسے کہ بندہ اپنے رب سے جنت کا سوال کرتا ہے اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کا سوال ہر اس چیز کا تقاضا کرتا ہے جو جنت کے قریب لے جائیگی اور دوزخ سے دور کر یگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اصلاح و درستی کا حکم دیا ہے اور اصلاح کرنے والوں کی تعریف کی

ہے اور اس بات کی خبر دی ہے کہ فساد کرنے والوں کا عمل درست نہیں ہوتا، اسی سے لوگوں کے دین اور دنیا کے سارے معاملات میں درستی پر استدلال کیا جاتا ہے اور ہر وہ کام جو اس سلسلے میں مددگار ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ترغیب میں داخل ہے اور ہر وہ کام جو فساد، نقصان اور برائی لئے ہوئے ہے وہ اسکی مخالفت میں داخل ہے اور اس سے پرہیز لازم ہے اور ہر اس چیز کا حصول واجب ہے جو لوگوں کی بہتری اور درستی پر منتج ہو اور جو بندے کی طاقت میں ہو۔ جس طرح جناب شعیبؑ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الاِصْلَاحَ مَا سْتَطَعْتُ ﴾ (ھود:۸۸)

میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات ہیں:

(۱) ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ مومنوں کو خوشخبری دے دیجیے۔

(۲) ﴿ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَے الْقِتَالِ ﴾ (انفال:۶۵) مومنوں کو جنگ پر آمادہ کیجئے۔

یہ ارشادات اس بات کے متقاضی ہیں جن کے بغیر خوشخبری مکمل نہیں ہوتی اور جن میں قتال پر آمادہ کرنا اور حرص دلانا مقصود ہے اور جو باتیں ان پر دارومدار رکھتی ہیں اس کے ساتھ قوت اور شجاعت ابھارنے والے اسباب و ذرائع کی پریکٹس کرنا اور باہمی محبت اور اتحاد کی باتوں سے معنوی قوت بھی مہیا کرنا ہے اور اسی قبیل کی اور باتیں بھی شامل ہیں۔

اسی طرح شرعی احکامات کی تبلیغ، یاددہانی اور ان کی تعلیم کا معاملہ ہے، وہ سارے احکامات جو مکلّف لوگوں تک پہنچانے ضروری ہیں اس میں داخل ہیں یہاں تک کہ جب شرعی احکام ثابت ہو جائیں اور ان کے اسباب پائے جائیں حالانکہ وہ اکثر لوگوں پر مخفی رہتے ہوں جیسے روزے، عیدالفطر اور حج وغیرہ ان کے چاندوں کے نظر آجانے کی خبر آوازوں، پٹاخوں اور تیراندازی کے ذریعے ہوتی ہے۔ آج کے دور میں الیکٹرک میڈیا کے ذریعے سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ان کی اطلاع دی جاسکتی ہے اسی طرح ہر وہ ذریعہ جو سننے والوں تک آوازوں کے پہنچانے میں مددگار ہو اس میں داخل ہے جیسے جدید آلات ہیں، اس لئے ان ایجادات کی ممانعت نہیں ہے پس جو چیز بھی لوگوں کو نفع دے قرآن اسے منع نہیں کرتا بلکہ بہتر دلائل اور فوائد کے بیان کرنے کی تاکید

کرتا ہے۔

یہ قرآن کی آیات اور اس کے بڑے دلائل ہیں کیونکہ علمِ صحیح حاصل ہی نہیں ہو سکتا اگر اس کا کچھ حصہ ان کے متناقض ہو۔ جس تناقض کی عقلیں مکمّل طور پر اور تفصیل کے ساتھ گواہی دے دیں اسے قرآن مسترد کر دیتا ہے اور جن باتوں تک عقلوں کی رسائی ناممکن ہے انہیں بھی رد کر دیتا ہے۔

لیکن جس بات کو عقولِ سلیمہ محال سمجھتی ہیں اور اس سے ابا کرتی ہیں اس کا وقوع پذیر ہونا محال ہے، حِسّیات اور تجربہ اس پر گواہ ہیں۔ جب سے ایجادات میں وسعت اور ٹیکنالوجی میں ترقی ہوئی ہے اور طبیعاتی سائنس کو عروج حاصل ہوا ہے لوگوں کو اس زمانہ میں بہت سی ایسی باتوں کا انکشاف ہوا ہے جو پہلے دور میں نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالےٰ قرآن میں ان کے محال ہونے کی خبر نہیں دیتا بلکہ تو اس سلسلے میں بعض آیات میں اجمال اور اس پر دلالت کرنے والے اشارات پائے گا۔

## بارھواں قاعدہ

قرآنی آیات میں کوتاہ بین لوگوں کو تعارض (تضاد) نظر آتا ہے ان میں سے ہر قسم کی آیات کے مفہوم کو ان کے موقع ومحل کی مناسبت سے متعین کرنا ضروری ہے، یہ بات قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر نظر آتی ہے۔

ان میں سے بعض آیات میں آخرت میں پیش آنے والے واقعات ہیں جیسے کافر قیامت کے دن کلام نہیں کریں گے، بعض آیات میں ہے کہ وہ بولیں گے، جھگڑیں گے، عذر پیش کریں گے اور اعتراف کریں گے۔ اُن کے بولنے اور کلام کرنے کا موقع اور محل اس وقت ہوگا جب وہ ابتدا میں کلام کریں گے اور عذر کریں گے اور جس کفر پر وہ قائم تھے اس سے انکار کریں گے اور اس پر قسمیں کھائیں گے۔ پھر جب ان کی زبانوں اور مونہوں پر مہریں لگا دی جائیگی اور ان کے اپنے اعضاء گواہی دے دیں گے اور وہ دیکھیں گے کہ جھوٹ ان کیلئے مفید نہیں ہے تو وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور خاموش ہو جائیں گے۔

اسی طرح یہ خبریں بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ ڈالے گا باوجود اس کے کہ ان کے ساتھ کلام ثابت ہو چکا ہے، نفی اس کلام کی ہے جو ان کو مسرّت بخشے اور ان کیلئے کسی قسم کا کوئی اعتبار پیدا کر سکے۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ اور بندوں کے درمیان کلام کے اثبات اور ان کی طرف دیکھنے کا معاملہ بھی ڈانٹنے کا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف دیکھے گا اور ان سے کلام کریگا تو وہ ان کے کفر اور نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو جھڑکے گا اور ڈانٹے گا، اللہ تعالےٰ ان پر ناراض ہوگا راضی نہیں ہوگا نفی کا یہ مفہوم ہے۔

کلام کے اثبات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے ساتھ کمال عدل کے معاملے کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں گے جب کہ سزا کے مقام پر ان کو لا کھڑا کیا جائیگا اور اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض آیات میں یہ خبر دی گئی ہے کہ کسی جن اور انسان سے اس کے گناہ کے بارے اللہ تعالےٰ نہیں پوچھے گا اور بعض آیات میں ہے کہ وہ پوچھے گا مثلاً مَا ذَا کُنْتُمْ تَعْبُدُ وْنَ؟ تم کس کی عبادت کرتے تھے۔ وَمَاذَا اُجِبْتُمُ الْمُرْ سَلِیْنَ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا اور ان سے ان کے سارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔

جہاں تک سوال کی نفی کا تعلق ہے تو وہ نا معلوم باتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور پوچھ گچھ کی نفی ہے کیونکہ ان کے بارے میں سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے بڑے سارے معاملات پر اللہ تعالےٰ کی اطلاع اور اس کا علم کمال درجے کا ہے۔

اور جہاں تک سوال کے اثبات کا تعلق ہے تو وہ ان کے اعمال کے ثابت کرنے اور انہیں زجر و توبیخ کرنے کیلئے ہوگا اور اس بات کا اظہار ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے عدل اور حکمت کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیا ہے۔

- ایسی ہی مثال آخرت کے بارے میں ان خبروں کی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ آخرت میں لوگوں کے درمیان کوئی رشتے باقی نہیں رہیں گے اور بعض آیتوں میں رشتوں کا اثبات کیا گیا ہے۔ قیامت میں جو کچھ واقعہ ہونے کا معاملہ ہے اسے اور رشتہ داروں کے اجتماع کو ثابت کیا گیا

ہے۔جیسے قرآن کا یہ ارشاد ہے ﴿ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴾ (جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں اور اپنے باپ سے ) یہاں رشتوں کے نفع بخش ہونے کی نفی کی گئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ کفار کا دعویٰ تھا کہ قیامت کے دن نسب انہیں نفع دیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَا یَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴾ (الشعراء: ۸۹)

اس دن مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں دے گی ماسوائے اس کے جو قلبِ سلیم ( سلامتی والا دل ) لے کر حاضر ہوا۔

اس کی مثال قرآن کی وہ آیات ہیں جن میں آخرت کے احوال کے سلسلے میں رشتہ ونسب کے نافع ہونے کی خبر دی گئی ہے جس طرح مومن اولاد کو اپنے بلند مرتبہ والدین سے ملا دینے کی خبر ہے جن کے مرتبے تک اُن کی اولاد نہیں پہنچ پائی ۔ بے شک اللہ تعالے اہلِ جنت اور بلند مرتبہ لوگوں کے پاس ان کے والدین، بیویوں، اور اولاد میں سے جس نے بھی اپنے آپ کو درست کر لیا ہوگا اکٹھا کریگا۔ یہ انعام اُن لوگوں کیلئے ہوگا جو ایمان اور درستیءِ کردار میں مشترک تھے۔ اللہ کریم محض اپنے فضل و کرم سے اُن کے درجات کو زیادہ کریگا بغیر اس کے کہ اُن سے سبقت لے جانے والوں کے اجور میں کچھ بھی کمی کرے۔

اسی طرح شفاعت کا مسئلہ بھی ہے کیونکہ کئی مواقع پر شفاعت ثابت ہو چکی ہے اور قرآن میں بعض مواقع پر اس کی نفی بھی موجود ہے۔ اور بعض موقعوں پر اسے مقید ( مشروط ) بھی کیا گیا ہے یعنی شفاعت اللہ کی اجازت سے ہوگی اور اپنی مخلوق میں سے اس کیلئے ہوگی جس کو وہ پسند کریگا۔ پس مطلق اور مقید کا تعین ضروری ہے تاکہ ایک کا حکم دوسرے پر نہ لگنے پائے۔ جہاں شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہاں مراد بغیر اجازت کے سفارش کی نفی ہے اور اس شخص کیلئے بھی شفاعت کی نفی کی گئی ہے جس کے قول و فعل اللہ کو ناپسند ہوں۔ جہاں شفاعت ثابت ہے وہ اللہ کی اپنی مرضی سے جسے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی ہو اور جس کے بارے میں اِذن بھی دیا گیا ہو۔ وہاں وہ شفاعت مراد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں خبر دی ہے کہ وُہ کافروں، فاسقوں، ظالموں

وغیرہ کو ہدایت اور توفیق نہیں دیتا ہے اور بعض میں فرمایا کہ وہ انہیں ہدایت اور توفیق دیتا ہے۔

ہدایت اور توفیق کے سلسلے میں نفی کا تعین وہاں ہوگا جہاں اللہ کا کلمہ مقدر ہو چکا ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ﴾ (یونس:96)

جن لوگوں کے خلاف تیرے رب کا فیصلہ ہو چکا وہ ایمان نہیں لائیں گے خواہ آپ ﷺ ان کے پاس ساری نشانیاں لے آئیں اور جن پر عذاب کا حکم وارد نہیں ہوگا اُن کیلئے شفاعت ثابت ہے بے شک اللہ کے عذاب میں مُبتلا کرنے اور دھتکارے جانے کا حکم اُن لوگوں کے حق میں ہوگا جو اندھی تقلید کے گڑھے میں گرے اور اللہ تعالیٰ کی کائناتی اور علمی آیات کی دعوت پر لبیک کہنے سے انکاری ہیں ارشاد الٰہی ہے:

(۱) ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف:۵)

پھر جب انہوں نے ٹیڑھا اختیار کی تو اللہ تعالےٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔

(۲) ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى﴾ (محمّد:۱۲)

وہ لوگ جو سیدھے راستے پر چلے اللہ تعالےٰ نے بھی ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔

اور یہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اسی طرح بعض آیات میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ بہت ہی بلند و برتر ہے اور وُہ اپنے بندوں کے اُوپر عرش پر جلوہ فرما ہے اور بعض آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ وُہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وُہ ہوں اور یہ کہ وُہ صبر کرنے والوں، سچ بولنے والوں اور احسان کرنے والوں کیساتھ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا بلند و برتر ہونا ثابت ہے اور یہ اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کیساتھ قُرب اور معیت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ وُہ ہر آدمی کی شاہ رگ سے بھی نزدیک تر ہے اور وُہ اپنے عرش پر اپنی مخلوق سے بلند ہے باوجود اس کے وُہ تمام حالات میں اپنی مخلوق کیساتھ ہوتا ہے۔ اِن دونوں معاملات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری صفات میں کسی مخلوق کی طرح نہیں ہے اور جو بات اس کے برخلاف خیال کی جاتی ہے وُہ مخلوق کے بارے میں ہے لیکن جہاں تک احسان کرنے والے

اوران جیسے دوسرے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی معیت ہوتی ہے یہ معیت ہر حال میں اُن کی محبت، توفیق، پناہ اور مدد کی ضامن بن جاتی ہے۔ جہاں اُن کا وصف اور تعریف بیان کی جاتی ہے وہاں یہ معیّت مُراد ہے اور جہاں پرہیز اور ترغیب وترہیب دلائی جاتی ہے وہاں معیت کی پہلی قسم مراد ہے۔

اسی طرح بہت سی آیات میں کافروں سے دوستی، محبت اور اُن سے تعلق رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور بعض میں اُن لوگوں سے احسان بھلائی اور بہترین مصاحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن کا آدمی پر حق ہے جیسے والدین اور پڑوسی وغیرہ ہیں۔ یہ آیات دونوں طرف سے عام ہیں اللہ کریم نے اپنے ارشاد میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُن لوگوں کیساتھ بھلائی کرنے اور انصاف سے کام لینے سے منع نہیں کیا جنہوں نے دین کے سلسلے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ تمہیں اُن لوگوں سے محبت کی پینگیں بڑھانے سے منع کرتے ہیں جنہوں نے دین کی بنیاد پر تم سے جنگ کی ہے اور تمہیں گھرون سے نکالا ہے اور تُمہیں دیس نکالا دینے کیلئے زیادتی کا ارتکاب کیا ہے۔

دین کی خاطر دوستی اور محبت کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے اور احسان اور بھلائی کا حکم رشتہ داری، ہمسائیگی، انسانیت کی بنیاد پر دیا گیا ہے اِن تعلقات پر مبنی احسان دین کی وجہ سے منقطع نہیں ہوگا۔

اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض آیات میں خبر دی ہے کہ اللہ نے زمین کو پیدا فرمایا پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان برابر کردیئے جبکہ بعض آیات میں جب آسمانوں کی تخلیق کے بارے میں بتایا ہے تو وہاں فرمایا کہ آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کو بچھایا۔

پس یہ آیت مقصد ومراد کی وضاحت کرتی ہے اور اس کی بات کی بھی توضیح کرتی ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے مقدم ہے۔ پھر جب اللہ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا تو اس کے بعد زمین کو بچھایا اور اس میں وُہ سارے لوازمات ودیعت فرمائے جن کے باشندگانِ زمین محتاج

ہونے والے تھے۔ اسی طرح کبھی اللہ تعالیٰ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ وُہ ہر چیز کے جاننے والے ہیں اور کبھی ہمیں بندوں کے بعض حالات کے علم کے بارے میں بتاتے ہیں۔ موخرالذکر سے مراد معنی کی زیادتی ہوتی ہے اور اس عمل کی جزاء و سزا پر دلالت کرتی ہے خواہ وُہ عمل نیکی ہو یا بُرائی ہو۔

اس سے جہاں اللہ تعالیٰ کے علم کے محیط ہونے کا پتہ چلتا ہے وہیں نیکی کی ترغیب اور بُرائی کے انجام سے ڈرانے کا مضمون بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سی آیات میں جہاد کرنے کا حکم ہے اور بعض آیات میں ہاتھ باندھ رکھنے اور پرسکون رہنے کا حکم ہے۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمانوں کو ہاتھ سے جہاد کرنے کی قدرت اور قوت نہیں تھی دوسری آیات اس وقت نازل ہوئیں جب وُہ قوی ہو گئے اب یہی مصلحت قرار پائی کہ دشمنوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے راستے پر چلا جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی صحیح ہے کہ کبھی امور اپنے اُن اسباب کی طرف منسوب ہوتے ہیں جو پیدا ہوئے اور اُن امُور کے وقوع پذیر ہونے کا باعث بنے اور کبھی اس کی عمومی تقدیر کی طرف منسوب ہوتے ہیں، سارے کام اللہ کے ارادے اور اس کی مشیت کے تحت سرانجام پاتے ہیں۔

اِن دونوں صورتوں میں توحید کا اثبات ہوتا ہے اور خالق کائنات اکیلا ہی اپنی قدرت اور مشیت کے ذریعے اشیاء کو سبب اور مسبب کے پردے میں وجود میں لاتا ہے اور پسندیدہ امور کا حکم دیتا ہے اور ناپسندیدہ سے منع کرتا ہے اور پسند و ناپسند کے درمیان والے کاموں کو مُباح قرار دیتا ہے۔

مومن کو نفع دینے والے ذرائع و وسائل اختیار کرنے میں کوشش اور جدوجہد اور دقتِ نظر فائدہ دیتی ہے اور ان تمام حالات میں اللہ کریم کا فضل و کرم اس کے پیش نظر ہوتا ہے اور وُہ کسی کام میں بھی اپنی ذات پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے رب سے ہی مدد طلب کرتا ہے۔

کبھی اللہ تعالےٰ یہ خبر دیتا ہے کہ بندے کو جو بھلائی نصیب ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے آتی ہے اور جو مصیبت آتی ہے وہ بندے کی اپنی ذات کی وجہ سے ہوتی ہے تاکہ بندوں کو پتہ چل جائے کہ ساری بھلائیاں، خوبیاں اور خصوصی نوازشیں محض اللہ کریم کے فضل و کرم کا نتیجہ ہوتی ہیں اگرچہ بعض اسباب بندوں کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں کیونکہ وہی ذات ہے جس نے اسباب و ذرائع عطا فرمائے ہیں، اسی نے ان کے حصول کیلئے آسانیاں بہم پہنچائی ہیں۔ برائیاں

وہ مصائب ہوتے ہیں جن سے بندے دوچار ہوتے ہیں ان کے اسباب بندے کی اپنی ذات سے وابستہ ہوتے ہیں، یہ اسباب اس کے اپنے رب کے حقوق میں کوتاہی اور حدود اللہ سے تجاوز کی شکل میں ہوتے ہیں۔ پس اللہ جل شانہٗ کی ذات ہی ہے جس نے اس کیلئے یہ صورتِ حال مقدر کی ہے اگرچہ یہ بندے کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس کیلئے بہت سی مثالیں ہیں۔

## تیرہواں قاعدہ

باطل مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ قرآن کا مناظرہ وتکرار کرنے کا طریقہ

اللہ تعالےٰ نے ہمیں احسن طریقہ سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا ہے جو شخص رسولوں کے باطل پرستوں کے ساتھ بحث ومباحثہ کے طور طریقوں پر غور کرتا ہے تو اسے حق کو ثابت کرنے کیلئے اور باطل کو مٹانے کیلئے کسی پریشانی اور الجھن کے بغیر بہت ہی واضح، قوی اور درست دلائل نظر آتے ہیں

انبیاؑء کے اپنی امتوں کے ساتھ بحث وتکرار اور اللہ واحد کی طرف دعوت پر اس حیثیت سے غور کیجئے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات ربوبیت میں یکتا ہے، وہی اکیلا منعمِ حقیقی ہے جس نے عافیت، کان، آنکھیں، عقلیں، طرح طرح کے رزق اور ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اسی طرح وہ مصائب وآلام کے دور کرنے میں بھی یکتا ہے اور یہ کہ مخلوق میں سے کسی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ کسی کو بلند مقام عطا کرے یا مصائب دور کردے یا نفع پہنچائے یا نقصان پہنچائے۔ بندے کی توحید کی صرف یہ معرفت اور اس کا اعتراف دینِ حق کی اطاعت کیلئے لازمی ہے جس سے نعمت کی تکمیل ہوتی ہے اور یہی ایک ہی طریقہ اس نعمت کی شکر گزاری کا ہے۔

اپنے حقیقی پروردگار کو چھوڑ کر مشرکین کے شرک اور معبودوں کی عبادت کے زمرے میں ان پر زیادہ تر جو بات حجت ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ کہ وہ تمام کائنات کا خالق اور رازق ہے پس یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اکیلا معبود بھی وہی ہے۔

اس دلیل کی طرف دیکھئے کہ کس طرح ذہن پہلی نظر میں اس بات کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس شان کی حامل ہستی کے ماسوا اور کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اسکی ربوبیت کے

آثار اس کیلئے خلوص کے متقاضی ہیں ۔ باطل پرست اپنے خداؤں کے نقائص کے تذکرہ سے بھی جھگڑے پر اُتر آتے ہیں ۔ انہیں اپنی کسی صلاحیت کی وجہ سے فائدہ پہنچ جانے کا تو امکان ہے مگر اس سے بڑھ کر ان کے معبود انہیں اپنی ذات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ۔

اہل کتاب کے خلاف یہ دلائل بھی قائم ہیں کہ چونکہ انہوں نے اپنے پہلے انبیاء کی مخالفتیں کی ہیں اس لئے اُن کیلئے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی مخالفت کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے جو سابقہ رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے تشریف لائے ۔ ان تمام انبیاء کا مشن ایک ہی تھا ۔ وہ یہ تھا کہ تمام انسان کے دلوں سے تقلید کے بوجھ اُتار پھینکیں تا کہ وہ اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور اپنے دلوں کے ساتھ اپنے رب کی آیات پر غور وفکر کر سکیں پس اس ذریعے سے وہ اپنے معبودِ حقیقی کو پہچان سکیں اور شیاطین الجن والانس کے بہکاوے سے لوگوں نے جو معبود بنا رکھے ہیں اس کی بھی پہچان ہو سکے ۔ ان آیات کے اثرات سے کوئی چیز باہر نہیں رہتی ۔ اس وجہ سے مناسب نہیں ہے کہ ان کی کوئی بات ان کے خالق و مالک کی معبودیت میں وجہِ اشتراک بن سکے اور نہ ہی اُن کیلئے یہ بات مناسب ہے کہ وُہ اپنے مخلوق اور عبادت گذار ہونے کے حق سے کسی طرح پہلوتہی کر سکیں ۔

اور بے شک خالق تو وہ ہے جس کی مثال کوئی نہیں وہ ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے. جس طرح وہ چاہتا ہے اور جس طرح اس نے طریقہ مقرر کیا ہے اس طرح اس کی عبادت کی جائے ۔

قرآن بڑے بڑے مشرکوں اور جھوٹے دعوے کرنے والوں کے جھوٹے دعوؤں کا ابطال کرتا ہے اور ان کے خود اپنے آپ کو پاکیزہ قرار دینے کی بانگِ دُھل نفی کرتا ہے ۔ اُن کے حالات اور اوصاف کے متضاد بیانات سے اور حق کی وضاحت اور دلائل کی صراحت سے اُن سے جھگڑتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی سچائی اور اس کی حقیقت ہی اس کے خلاف پیدا ہونے والے جملہ شبہات کو زائل کر دیتی ہے سچائی کے بعد سوائے جھوٹ کے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہوتا ہے؟

قرآن حکیم میں یہ اصول کثرت سے بیان ہوئے ہیں کیونکہ یہ حق کے دعوے کیلئے مفید ہیں اور باطل کی تردید کر کے اس کی نفی کرتے ہیں ۔ قرآن کا یہ طریقہ ہے کہ مناسب دلائل پیش کر کے مخالفین سے بحث کرتا ہے کہ ہر چیز کو اس کے موقع ومحل پر رکھنا لازمی ہے اور یہ کہ یہ

نامناسب ہے کہ محتاج بندہ جو اس کی عاجز مخلوق ہے کو بھی اس خالق، غنی اور رب العالمین جو ہر اعتبار سے کامل ہے کے کچھ حقوق تفویض کر دئے جائیں۔ اللہ تعالٰے نے انہیں چیلنج کیا ہے کہ وہ اس کتاب اور اس شریعت سے کوئی بہتر کتاب اور بہتر شریعت لے آئیں اور یہ کہ قرآن کا مقابلہ کرنے کیلئے اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی کتاب لے آئیں۔

اللہ تعالٰے اپنے نبی کو اُن لوگوں سے مباہلہ کرنے کا حکم دیتا ہے جن کی دشمنی اور عناد ظاہر ہو چکا ہے۔ پھر وہ یہ جان کر کہ وہ سچے رسول ہیں اور وہ اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتے الٹے قدموں بھاگ جاتے ہیں اور اگر وہ مباہلہ کرتے تو ہلاک ہو جاتے۔

مختصر یہ کہ ہر اعتبار سے حق کو ثابت کرنے اور باطل کو ردّ کرنے میں تو قرآن سے بہتر کوئی طریقہ نہیں پائے گا۔ قرآن نے ہر اعتبار سے مکمل طریقہ متعین کر دیا ہے۔

## چودہواں قاعدہ

مفعول فیہ کے متعلقات کا حذف معانی میں مفید اضافہ کا باعث ہوتا ہے

اس قاعدے کی رو سے معانی کی مناسبت سے عموم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ کلیہ بہت ہی مفید ہے جب آدمی آیات قرآنیہ میں اس کلیہ کو پیش نظر رکھتا ہے تو اس سے جلیل القدر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس کلیہ کی رُو سے جب کسی فعل کو اس کے جو معنیٰ بھی ہوں کسی شرط سے مشروط کر دیا جاتا ہے تو وہ اس کا مقید ہو کر رہ جاتا ہے اور جب اللہ تعالٰے اسے مطلق قرار دیتا ہے اور اس کے متعلقات کو حذف کر دیتا ہے تو اس سے ''عموم'' مراد لیا جاتا ہے اور اس جگہ متعلقات کا حذف اس کی تصریح سے زیادہ بہتر اور زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے اور اس کے معانی میں مفید اضافہ کرتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ بہت سی آیات میں یہ الفاظ کثرت سے فرماتے ہیں۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾، ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾، ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ یہ الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ سے اللہ تعالٰے کی مراد ہر وہ چیز ہے جس کی طرف تمہیں ہدایت دی ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی تمہیں تعلیم دی ہے اور ہر وہ چیز ہے جو الکتاب اور حکمت سے تمہارے اوپر نازل کی ہے، سی طرح لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ سے

مراد یہ ہے کہ تا کہ تُم بھولو گے نہیں اور نہ ہی تم غفلت برتو گے اور ہمیشہ بیدار اور بقائی ہوش وحواس رہ کر اللہ تعالیٰ کی سُنن اور آیات سے تمہیں جو سابقہ پڑیگا اسے محسوس کرتے رہو گے اور اپنی دینی اور دنیوی مصلحتوں کو ملحوظ خاطر رکھو گے اور اس طرح لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے پرہیز کرنا واجب ہے مثلاً غفلت، جہالت اور تقلید سے اور ہر وہ کام جس میں تمہارا دشمن تمہیں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے سارے گناہ اور نافرمانیاں اور اس میں وہ تمام باتیں داخل ہیں جن پر کلام کا سیاق وسباق دلالت کر رہا ہو وہ سب اس کے عمومی معنی کے افراد ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرہ:۱۸۳)

(اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو) روزوں کی حکمت کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے یہ آیت مفید ہے تا کہ تم حرام کی ہوئی چیزوں سے عمومی لحاظ سے بچو، تا کہ تم روزہ داروں پر حرام کردہ جھوٹی باتوں اور ان پر عمل سے، ہر قسم کے برے حالات اور خبیث صفات سے بچو، روزوں کو توڑنے والی اور ممنوع چیزوں سے پرہیز کرو تا کہ تم تقویٰ کی صفت سے متصف ہو جاؤ، تا کہ تم مکروہ چیزوں سے بچنے کی صلاحیت حاصل کرو اور اچھے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ اسی طرح (هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ) میں متّقین کے لفظ سے وہ سب کچھ مراد ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے جیسے غفلت، جہالت، تقلید، کفر، فسق وفجور جو بلند مرتبہ انسانیت کو فنا کر دیتی ہیں ان سے بچا جائے۔ متقین وہ ہیں جو فرائض ونوافل جو تقویٰ کے خصائل ہیں کی ادائیگی کے ساتھ اللہ کے شکر ادا کرنے کی صلاحیت حاصل کرنے والے ہیں یہ ادائیگی تقویٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے::

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ (اعراف:۲۰۱)

بیشک جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے ان کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ کبھی

شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جائے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کیلئے صحیح طریق کار کیا ہے۔

یعنی تقویٰ ان لوگوں کا وصف ہے اور اللہ تعالےٰ کی آیات وسنن میں تدبّر و بیداری ان کا حال ہے اور حرام کاموں کو ترک کرنا اُن کا شعار ہے۔ جب شیطان انہیں بعض گناہ کے کام خوشنما بنا کر دکھاتا ہے اور راستہ اُن پر مشتبہ ہو جاتا ہے اور یہ ابلیس انہیں شبہات اور شہوات میں ڈال کر بے حس کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ان کو اللہ تعالےٰ کی عظمت وجلال اور اس کے تقاضے فوری طور پر توبہ پر آمادہ کرتے ہیں، اس کے انعامات کی حرص، ہدایت، ایمان اور تقویٰ کا سبب بننے والے سارے امور انہیں توبہ کی طرف فوراً متوجہ کرتے ہیں، انہیں اس کا عذاب اور اس کی عبرتناک سزا یاد آجاتی ہے اور انہیں یاد آجاتا ہے کہ گناہوں سے کیا کیا عیب اور نقصانات ہوئے اور وہ کون کون سے فضائل سے محروم ہوئے۔ اسی طرح ''مومنین'' کے لفظ اور ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا'' اور ایسے الفاظ سے مطلقاً مومن مراد لئے گئے ہیں کیونکہ کلمۂ ایمان کے حقیقی معنی وہ تصدیق ہے جو علم وفہم اور سمجھ بوجھ سے حاصل ہوتی ہے جسے اس میں سے کسی چیز پر ایمان ہو تو وہ ایمان اس کیلئے اطاعت اور سرافگندگی یقینی طور پر واجب کر دیتا ہے جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا یہ قول ہے کہ ''وَمَا اَنْتَ بِمُؤمِنٍ لَّنَا'' ''تو ہماری نہیں مانے گا۔ جب تجھے اس بات کی سمجھ آچکی اور تو نے جان لیا کہ قرآن حکیم میں جس ایمان کا تذکرہ ہے اس سے مراد انفس وآفاق میں اللہ کریم کی سنتوں اور نشانیوں پر ایمان ہے اور اس کے انعامات اور احسانات پر ایمان ہے۔ یہ سب کچھ اس علیم وحکیم خالق کائنات کی طرف سے ہے جس نے کوئی چیز فضول اور کھیل کے طور پر نہ تو بنائی ہے اور نہ ہی نازل کی ہے اور نہ ہی کوئی طریقہ مقرر کیا ہے۔ یہ ساری چیزیں حق کے ساتھ قائم ہیں جن میں کوئی تغیر وتبدل نہیں۔ پس تو نے جان لیا ہوگا کہ اس میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جن پر ایمان لانا واجب ہے خواہ علمی وکائناتی طور طریقے ہوں یا نشانیاں ہوں یا عقائد، اعمال اور احکامات ہوں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ بعض آیات میں ایمان کو ان میں سے کسی ایک قید کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے جیسے یہی آیت (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ) ''کہو ہم اللہ پر ایمان لائے'' اور ایسی کئی مثالیں ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جس خیر اور اصلاح کا حکم دیا ہے اور فساد پھیلانے سے مطلقاً روکا

ہے اس خیر میں دنیا و دین کی ہر بھلائی داخل ہے جیسے ہر فساد نہی میں داخل ہے اسی طرح اللہ کا یہ قول :

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (البقرہ: ۱۹۵)

بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

وَاَحْسِنُوْا ''(اور احسان کرو)'' لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى '' (اور جو لوگ احسان کرتے ہیں ان کیلئے بھلائی ہے) نیز'' هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان '' (کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کوئی اور بھی ہے) ان سب آیات میں اللہ کے طریقوں، نشانیوں، انعامات اور نعمتوں کے سلسلے میں احسان کا عمل دخل ہے تاکہ خالقِ کائنات کی عبادت میں احسان کا پھل مل سکے جس کا حدیث جبرئیل میں تذکرہ آچکا ہے:

- '' اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِلَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ ''

(تو اللہ کی ایسی عبادت کر گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر چہ تو اللہ کو نہیں دیکھتا مگر وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے)

مخلوقات کے ساتھ ہر طرح سے احسان کرنا چاہیئے قول و فعل سے بھی، مرتبہ و مقام کے ذریعے سے بھی اور علم و مال وغیرہ سے بھی احسان کا مظاہرہ ہونا چاہیئے۔

اسی طرح اللہ کا یہ قول ہے'' اَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ'' (تمہیں کثرت طلبی نے غفلت میں ڈال دیا) اس تکاثر کے خاتمے سے مراد ان تمام چیزوں کا عموم ہے جس کی کثرت طلبی کی لوگ خواہش کرتے ہیں جیسے حکومت، مال و دولت، بلند مرتبہ، جاگیریں اور اولاد وغیرہ جن سنن اور حِکَمِ الٰہیہ سے انسانوں کی اغراض وابستہ ہوتی ہیں ان اشیاء کی کثرت طلبی انہیں اللہ تعالےٰ کی اطاعت و بندگی سے غافل کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ (العصر : ۱، ۲)

قسم ہے زمانے کی بے شک انسان خسارے میں ہے

یعنی ہر اعتبار سے لازمی خسارہ میں ہے ماسوائے اُن اشخاص کے جو ایمان اور عمل سے متصف ہوئے اور حق و صبر کی باہم وصیت کرتے رہے۔ اسی طرح یہ آیت بھی ہے:

﴿ فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل: ۴۳)

پس اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے

پس جن سے پوچھا جانا ہے اُن کا تو ذکر کر دیا لیکن جس چیز کے بارے میں پوچھا جانا ہے اُسے مطلق چھوڑ دیا تاکہ بندہ کو جس علم کی ضرورت ہے اُسے "عام" رکھا جائے۔

اسی طرح اللہ کا صبر کرنے والوں اور اُن کے ساتھ اُس کی محبت، صابرین کی تعریف اور اُن کی کثرتِ اُجور کا معاملہ ہے۔ صبر کو عام رکھا ہے اور اسے کسی قید سے مقید نہیں رکھا تاکہ صبر کی تینوں اقسام پر شامل ہو سکے یعنی اللہ کی فرمانبرداری کیلئے صبر کی ضرورت ہے، اللہ کی نافرمانی سے بچنے کیلئے صبر کی ضرورت اور اللہ کی تقدیر پر صبر کی ضرورت ہے۔

اس سب کے مقابلے میں کافروں، ظالموں، فاسقوں، مشرکوں، منافقوں، حد سے تجاوز کرنے والوں وغیرہ پر اُن کے برے اعمال کا جو بوجھ ہے اُسے بھی "عام" رکھا ہے اور اُسے کسی قید سے مقید نہیں کیا تاکہ یہ اُن کی ساری بُرائیوں کو شامل ہو سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ" (اگر تم گھر جاؤ) یہ حکم بھی ہر قسم کے گھیراؤ اور رکاوٹ کے بارے میں عام ہے۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ﴾ (البقرہ: ۲۳۹)

اگر تمہیں خوف ہو تو خواہ پیدل چلتے ہوئے یا سواری کی حالت میں (نماز) پڑھ لو۔

یہ حکم بھی ہر قسم کے خوف کیلئے عام ہے۔

کبھی بعض باتوں کی قید لگا دی جاتی ہے پس جس مقصد کیلئے کلام لایا جاتا ہے اس کے ساتھ اُسے مقید کر دیا جاتا ہے۔ یہ قاعدہ بہت مستعمل ہے اگر ان کی مثالیں بیان کرنے لگیں تو بات طول پکڑ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے یہ دروازہ کھول دیا ہے پس اس راستے پر چلتا جا تاکہ تو علوم و معارف کے گلہائے بوقلموں کے لہلہاتے بستانوں میں داخل ہو جائے۔

## پندرہواں قاعدہ

### بلند مقاصد کے اسباب ہی بشارت بن جاتے ہیں

بلند مقاصد کے حصول کے لئے اسباب کو اللہ تعالےٰ خوشخبریاں دینے والے عوامل بنا دیتے

ہیں تا کہ ان سے دلوں کو اطمینان نصیب ہو اور وہ ایمان میں اضافے کے موجب بنیں اور ایسا اپنی کتابِ حکیم میں کئی مواقع پر بیان فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں مومنین کیلئے اللہ تعالےٰ کی نصرت ہے جو فرشتوں کے نزول کی صورۃ میں آئی:

(۱)۔﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُم وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهٖ ط وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِندِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيمِ﴾(انفال:۱۰)

اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کیلئے ہے، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔

اس نصرت کو اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے خوشخبری اور تمہارے دلوں کو اطمینان کا ذریعہ بنایا

(۲)۔اسی طرح اسبابِ رزق اور بارش کے نزول کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿وَمِنَ آياتِهِ اَن يُرسِلَ الرياح مبشرات ﴾(روم :۴۶)

اللہ تعالےٰ کی وہ ذات ہے جو ہواؤں کو (بارش) کی خوشخبری دینے والی اور تمہیں اپنی رحمت سے لطف اندوز کرنے کیلئے چلاتی ہے۔

(۳)۔ان سب سے زیادہ اہم یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾(یونس:۶۲)

خبردار! اللہ تعالےٰ کے دوستوں کیلئے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہے

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کئے رہے۔اُن کیلئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ یہی بشارت ہی ان کیلئے اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کیلئے خیر اور بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ اللہ تعالےٰ کے دوست ہیں۔

اس بھلائی میں اُن کیلئے اچھی تعریف، سچے اور بہترین خواب بھی داخل ہیں اور اس میں یہ چیز بھی داخل ہے جو وہ اللہ تعالےٰ کے لطف و کرم، ہدایت، علم اور ایمان کیلئے توفیق الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔نیز نیکی کے کاموں کیلئے آسانی اور برائی سے اجتناب کی صورت میں نصرت الٰہی اُن کی معاون بنتی ہے۔

اس وجہ سے اللہ تعالےٰ کا خصوصی لطف و کرم مصائب سے نجات اور تنگی سے فراخی کی خوشخبری

دینے والا بن جاتا ہے۔ اگر تو انبیاء اور اصفیاء کے حالات پر غور کرے تو معلوم ہوگا کہ جب اُن پر خراب حالات شدت اختیار کرتے ہیں، زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو جاتی ہے اور ان کے قدم ڈگمگاتے کے قریب پہنچ جاتے ہیں یہاں تک اپنے زمانے کا رسول اور ان کے صحابہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے اللہ! تیری نصرت کب آئے گی جس کا تو نے وعدہ کر رکھا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن کا کامل ایمان، اس کی حکمت، رحمت اور سننِ الٰہیہ نصرت الٰہی کے حصول کے ذرائع بن جاتے ہیں۔

ان تمام اسباب کی بناپر اللہ مہربان کی پاس سے جواب آتا ہے۔(أَ لَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ )خبردار! اللہ کی نصرت قریب ہے۔

اس قسم کے حالات میں تو بڑے ہی عجیب وغریب نظارے کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا )(المنشرح:۵)

بے شک تنگی کے بعد فراخی ہے یقیناً تنگی کے بعد فراخی ہے

نیز جناب نبیِ آخر زمان ﷺ کا ارشاد ہے۔" جان لے کہ فتح وکامرانی صبر کے ساتھ حاصل ہوتی ہے، دکھ کے ساتھ سکھ ہے اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے اس سلسلے میں بہت سی مثالیں ہیں

## سولہواں قاعدہ

جملہ شرطیہ میں شرط کے جواب کا حذف ہونا متعلقہ معاملے کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اور وعید کی سختی کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے ان ارشادات پر نگاہ ڈالیں:

(۱) ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾(سجدہ: ۱۲)

کاش کہ آپ دیکھتے جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔

(۲) ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ﴾(سبا: ۵۱)

کاش کہ آپ دیکھتے جب گنہگار لوگ گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ اور قریب کی جگہ سے ہی گرفتار کر لئے جائیں گے۔

(۳) ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

کاش کہ ظالم دیکھتے جب کہ یہ لوگ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام قوت اللہ ہی کو ہے۔

(۴) ﴿ولو ترىٰ اِذْ وُقِفُوْا عَلىٰ رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ (الانعام:۳۰)

کاش کہ آپ دیکھتے جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا یہ حق نہیں ہے؟۔

(۵) ﴿وَلَوْ تَرىٰ اِذْ وُقِفُوْا عَلىٰ النَّارِ﴾ (الانعام:۲۷)

کاش کہ آپ دیکھتے جب کفار آگ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں شرط کے جواب کو حذف کرنا اس کے ذکر کرنے سے زیادہ بہتر ہے تا کہ اس مقام کی عظمت پر دلیل بنے کیونکہ ان مقامات کی ہیبت، سختی اور شدت لفظوں سے ظاہر نہیں ہوتی اور نہ ہی بیان کرنے سے صحیح ادراک ہو سکتا ہے جس طرح اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے:

﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾ (التکاثر:۵)

یعنی اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہو جاتا تو تم آج جس عملی کوتاہی، غفلت اور کھیل کود میں مستغرق ہو اس پر قائم نہ رہتے۔

## سترہواں قاعدہ

بعض اسم جب قرآن حکیم میں انفرادی حیثیت سے وارد ہوتے ہیں تو وہ ان کے مناسب حال عمومی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور جب ان کے ساتھ کچھ اور الفاظ بھی مل جاتے ہیں تو عام معنی نہیں رہتے بلکہ بعض معنی پر دلالت کرتے ہیں اور باقی ماندہ اس سے متعلقہ دیگر معانی کے حامل ہوتے ہیں۔ اس قاعدہ کی بہت سی مثالیں ہیں:

اس کی ایک مثال لفظ ایمان ہے۔ یہ لفظ بہت سی آیات میں منفرد طور پر وارد ہوا ہے اور دیگر بہت سی آیات میں عمل صالح اور صفات حسنہ کے ساتھ بھی وارد ہوا ہے۔ جن آیات میں اکیلا لفظ

ایمان استعمال ہوا ہے وہاں یہ دین کے جملہ عقائد اور شریعت کے ظاہری و باطنی پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ لہٰذا اللہ کریم نے اسی ایمان کے اوپر ہی ثواب کا حصول اور عذاب سے نجات کا دارومدار رکھا ہے۔ اگر لفظ ایمان ان معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے نہ ہوتا تو اس پر یہ اثرات مرتب نہ ہوتے پس لفظ ایمان سلف کے نزدیک دل اور زبان کے قول اور دل، زبان اور اعضا کے عمل کا نام ہے۔

جن آیات میں ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی موجود ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُو وَعَمِلُو الصَّالِحَات ﴾

(بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے)

وہاں ایمان سے قلبی معرفت، تصدیق، عقیدہ اور رجوع الی اللہ مراد لی جاتی ہے جب کہ عمل صالح سے مراد احکام شریعت کی پابندی ہے خواہ وہ احکام قولی ہوں یا فعلی۔

اسی طرح برّ اور تقویٰ کے الفاظ ہیں۔ جب لفظ برّ اکیلا واقع ہو تو اس سے مراد احکامات کی تعمیل اور برائیوں سے پرہیز ہوتی ہے اسی طرح تقویٰ کا استعمال ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ مطلقاً برّ اور تقویٰ پر مطلق ثواب اور مطلق نجات مرتب کرتا ہے، یہی حال ایمان کا ہے۔ کبھی برّ (نیکی) کے اعمال سے مراد بھلائیوں کے سارے افعال اور برائیوں سے پرہیز ہوتی ہے جیسا کہ بعض آیات میں تقویٰ کے اعمال کی تفسیر پائی جاتی ہے مثلاً:

﴿سَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرضُهَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْض اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُونَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ (آل عمران:۱۳۳)

دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے جو ان پرہیز گاروں کیلئے تیار کی گئی ہے جو فراخی ہو یا تنگی ہر حالت میں خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت کے آخر تک مُتّقین کی ایسی صفات بیان کی گئی ہیں کہ ان کے بغیر تقویٰ کی حقیقت مکمل ہی نہیں ہوتی۔ جب برّ اور تقویٰ کے الفاظ اکٹھے آئیں جیسے اس آیت میں ہیں:

﴿تعاونوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ﴾ (المائدہ:۲)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔

یہاں برّ کا لفظ ہر اس کام کیلئے جامع لفظ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے جسے اللہ کریم محبوب رکھتے اور پسند فرماتے ہیں خواہ وہ ظاہری اور باطنی افعال ہوں یا اقوال۔ اسی طرح تقویٰ بھی سارے حرام کاموں سے پرہیز کیلئے ایک جامع لفظ ہے۔ اسی طرح اثم (گناہ) اور عدوان (سرکشی) کے الفاظ ہیں۔ اثم کا لفظ جب اکیلا آئے تو اس سے وہ سارے گناہ مراد لئے جائیں گے جن کا تعلق بندے اور اس کے رب کے ساتھ ہے اور عدوان کا لفظ ان گناہوں کیلئے مستعمل ہوگا جن کا ارتکاب بندوں کے جان و مال اور عزت کے سلسلے میں ہوتا ہے اسی طرح اثم کا لفظ جب اکیلا آئے تو اس سے وہ سارے گناہ مراد لئے جاہیں گے جن کا تعلق بندے اور اس کے خالق کے درمیان ہو یا بندہ اور مخلوق کے درمیان ہوں۔ اسی طرح عدوان کا معاملہ بھی ہے جب وہ اکیلا استعمال ہو رہا ہو۔

اسی طرح عبادت، توکل اور استعانت کے الفاظ ہیں۔ قرآنِ حکیم میں جب عبادت کا لفظ اکیلا آتا ہے تو وہ ان ساری ظاہری اور باطنی باتوں پر محیط ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ کو محبوب اور پسند ہیں۔ عبادت کے مفہوم میں توکل اور استعانت (مدد چاہنا) کو اوّلیت اور اہمیت حاصل ہے۔ جب عبادت کے ساتھ توکل اور استعانت جمع ہو جائیں جیسے (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ) تو اس سے مراد اسی کی بندگی اور اسی پر بھروسہ ہوتا ہے۔ پس عبادت کا مفہوم سارے احکامات کی ظاہری اور باطنی تعمیل ہے اور توکل کی تفسیر یہ ہے کہ بندگی کے مقام پر فائز ہونے، منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے کیلئے اللہ جل شانہٗ کی ذات پر کامل اعتماد ہو اور ان مقاصد کے حصول کیلئے مالکِ کائنات کے ساتھ مکمل وابستگی رہے۔

اسی طرح فقیر اور مسکین کے الفاظ ہیں جب ان میں سے ایک لفظ استعمال ہو رہا ہوتا ہے تو اس کے مفہوم میں دوسرا لفظ بھی شامل ہوتا ہے جیسے اکثر آیات میں ہوا ہے، خاص طور پر آیتِ صدقات میں:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ (توبہ:۶۰)

بیشک صدقات فقرا اور مساکین کیلئے ہیں۔

اس آیت میں فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو شدید حاجت مند ہو اور اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یا اگر کچھ پاتا ہو تو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملتا ہو اور مسکین وہ ہوتا ہے جس کی حاجت ایسی شدید نہ ہو۔

اسی طرح وہ الفاظ ہیں جو قرآنِ حکیم کی تلاوت اور اسے مضبوطی کے ساتھ تھامنے یعنی قرآنی احکامات کی پیروی پر دلالت کرتے ہیں جب ان کے ساتھ نماز بھی شامل ہو جائے تو اس سے مکمل دین کی اقامت مراد لی جاتی ہے جیسے یہ آیات ہیں:

(۱) ﴿ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ﴾(عنکبوت:۴۵)

اے میرے نبی! جو کتابِ حکیم تیری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور نماز قائم کیجئے۔

(۲) ﴿ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ وَ اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ ﴾(الاعراف:۱۷۰)

جو کتابِ حکیم کو مضبوطی کے ساتھ تھامتے ہیں یعنی قرآنی احکامات کی پیروی کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

ان آیات میں نماز کی عظمت، اس کی اہمیت اور اس کی اقامت پر زور دینے کیلئے الگ ذکر کیا گیا ہے وگرنہ وہ تلاوت اور تمسک بالکتاب کے عمومی الفاظ اور اس جیسے دوسرے اسماء کے مفہوم میں شامل ہیں۔

## اٹھارہواں قاعدہ

قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں اللہ کریم یہ خبر دیتے ہیں کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان اسباب کا ذکر فرماتا ہے جن کا تعلق بندہ کے ساتھ ہوتا ہے جو ہدایت یا گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ اسی طرح حصول مغفرت اور اس کی ضد (عذاب) کا معاملہ ہے اور یہی صورت رزق کی فراخی یا تنگی کی ہے۔ ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، جسے چاہتا ہے رحم فرماتا ہے، جسے چاہتا

ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگ دست کر دیتا ہے۔ یہ ساری باتیں کائنات کی تخلیق اور تدبیر میں اس کی کاملِ وحدت اور انفرادیت پر دلالت کرتی ہیں یعنی وہی کائنات کی تمام چیزوں کا اکیلا پیدا کرنے والا ہے اور تمام امور کی تدبیر وانتظام بھی اسی اکیلے کے ہاتھ میں ہے۔ نیز یہ کہ تمام اشیاء کے خزانوں کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہیں جسے چاہے عطا کر دے، جسے چاہے محروم کر دے، جسے چاہے پست کر دے، جسے چاہے بلند کر دے اور اس کے ساتھ وہ بندوں سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ وہ ان ساری باتوں کا اعتراف کریں اور اپنے تمام پسندیدہ مقاصد کے حصول کیلئے تمناؤں اور آرزوؤں کو اسی کی واحد ذات کے ساتھ وابسطہ رکھیں اور ناپسندیدہ امور سے حفاظت کیلئے بھی اس کے سوا کسی سے سوال نہ کریں۔

جیسے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالے کا ارشاد ہوتا ہے: ''اے میرے بندو! تم تمام گمراہ ہو مگر جسے میں ہدایت دے دوں۔ پس تم مجھ ہی سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دونگا''۔

بعض دوسری آیات میں ان کے اسباب بیان کئے جاتے ہیں اس لئے کہ لوگ ان مقاصد کے حصول کے اسباب اور ذرائع جان سکیں اور نفع پہچانے والے اسباب اور ذرائع کو اپنا سکیں اور نقصان دینے والے اسباب کو ترک کر سکیں۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ط لا وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ط لا فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی ط وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ط لا وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ط لا فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی﴾ (الّیل: ۵تا۱۰)

جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے) اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہا۔ تو ہم اسکو آسان راستے کی سہولت دیں گے لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی اور نیک بات کی تکذیب کی تو ہم بھی اس کیلئے مشکل راستے کے سامان میسر کر دیں گے۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ ہدایت اور اس پر چلنے کیلئے اللہ کریم کی آسانی بہم پہنچانے کے دو اسباب ہیں ایک تو اللہ کریم کے طریقوں، تخلیق اور شریعت کی حکمتوں پر بندے کا ایمان ہے، دوسرے ان طریقوں کو اپنانے اور شرعی احکامات کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اس کے برخلاف

گمراہی اور مشکل راستے (خلاف فطرت راستے) پر چلنے کیلئے آسانی بہم پہنچانے کے بھی اسباب ہیں۔

اسی طرح قرآن حکیم کی صفت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (المائدہ:١٦)

جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے جو رضائے رب کے درپے ہوں اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی راہبری کرتا ہے۔

(٢) ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ (البقرہ:٢٦)

اللہ تعالے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو قرآن کے ذریعے سے ہدایت دے دیتا ہے۔

(٣) ﴿فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (الاعراف:٣٠)

ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور دوسرے پر گمراہی متحقق ہو گئی انہوں نے اللہ کریم کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنالیا۔

پس اللہ تعالے نے خبر دی ہے کہ وہ اسی شخص کو ہی قرآن کے ذریعے ہدایت دیتا ہے جس کا ارادہ ٹھیک ہو، جو بھلائی کی طرف رغبت رکھتا ہو اور اللہ کی رضا کی پیروی کرتا ہو اور یہ کہ وہ گمراہ اسی کو کرتا ہے جو اللہ تعالے کے حکیمانہ طریقوں سے منہ موڑتا ہے، جو اللہ تعالے کے ساتھ بغاوت و سرکشی کا رویہ اختیار کرتا ہے، جو انسانوں اور جنوں کے شیاطین، دشمنان خدا کی دوستی پر راضی ہو گیا ہے اور جس نے اللہ رب العالمین کی دوستی کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالے کے یہ ارشادات بھی ہیں:

(١) ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصف :٥)

پس جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ تعالے نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔

(۲) ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهٖ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الانعام:۱۱۰)

اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے۔

اسی طرح بعض آیات میں اُن اسباب کا ذکر کرتا ہے جو اس کی بخشش اور رحمت کے موجب بنتے ہیں اور ان اسباب بھی ذکر کرتا ہے جو اس کے عذاب کو واجب قرار دیتے ہیں جیسے یہ ارشادات ہیں:

(۳) ﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ (طٰہٰ:۸۲)

میں اس شخص کو بخش دینے والا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے، نیک عمل کرے اور پھر سیدھے راستے پر چل پڑے۔

(۴) ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف:۱۵۶)

میری رحمت ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے میں اسے ان لوگوں کیلئے لکھ لوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

(۵) ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (الاعراف:۵۶)

بیشک اللہ کی رحمت نیکوکار لوگوں کے قریب ہوتی ہے۔

(۶) ﴿سَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۳۳)

اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی وسعتیں زمین و آسمانوں جتنی ہیں جنہیں پرہیزگاروں کیلئے تیار کیا گیا ہے۔

پھر ان اسباب کا تذکرہ کرتا ہے جو بخشش اور رحمت کو واجب کرتے ہیں اور یہ تقویٰ سے متعلقہ خصائل ہیں جو ان آیات میں بیان کئے گئے ہیں:

(۷) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:۲۱۸)

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

(۸) ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوْالَهُ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الاعراف:۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو تا کہ تمہارے اوپر رحم کیا جائے۔

(۹) ﴿وَاَطِیْعُوْااللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۳۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تمہارے اوپر رحم کیا جائے۔

پس بخشش اور رحمت کا راستہ عام طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتا ہے اور جن اسباب کا ذکر ہوا ہے وہ خاص حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآن ہمیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ عذابِ الٰہی کو واجب کرنے والے متعدد اسباب ہیں اور وہ سارے دو باتوں پر منحصر ہیں:

(۱) اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب۔

(۲) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف۔

جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

(۱) ﴿لَا یَصْلَاهَا اِلَّا الْاَشْقَی الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی﴾ (الّیل:۵،۶)

(دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں) وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔

(۲) ﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی﴾ (طٰه:۴۸)

بیشک عذاب اسی پر واقع ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔

اسی طرح حصولِ رزق کے اسباب کا معاملہ ہے اس کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازمی ہے اور زمین کے (مناکب) کندھوں پر اللہ سے ڈرتے ہوئے مسائیء جمیلہ کو بروئے کار لانا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾ (طلاق:۳)

جو اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں

اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

اور کشادگی اور رزق کے انتظار کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّه، مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (طلاق:۴)

جواللہ سے ڈر جاتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کے کام آسان فرما دیتے ہیں۔

کثرت کے ساتھ ذکر اور استغفار کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

(۱)۔﴿وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَتَاعاً حَسَناً اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى وَ يُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَه﴾ (هود:۳)

اور یہ کہ تم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف لوٹ آؤ وہ تمہیں مدت مقررہ تک بہترین مال ومتاع دے گا اور صاحبِ فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔

(۲)۔﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾نوح:۱۰تا۱۲

میں نے ان سے کہا کہ اپنے پروردگار سے استغفار کرو، وہ بخش دینے والا ہے، تمھارے اوپر بارشیں نازل کرے گا اور تمھیں مال اور اولاد عطا فرمائے گا اور تمھارے لئے باغوں کی نعمت عطا کرے گا اور انھیں نہروں سے آب پاش کرے گا۔ گویا کہ توبہ واستغفار سے بخشش کے علاوہ دنیوی فائدے بھی حاصل ہوں گے۔ اللہ کی زمین پر بارشیں نازل ہوں گی، مال کی کثرت ہوگی، اللہ بیٹے دے گا، باغوں میں پھل آئیں گے اور ان کی آب پاشی کا انتظام کرے گا اور ساری بھلائیاں عطا کرے گا اور استغفار سے پہلوتہی غریبی اور مسکنت کا سبب بنتی ہے اور عسریٰ (خلافِ فطرت مشکل راستے کی طرف) آسانی کا موجب بنتی ہے، اس قاعدہ کی مثالیں بہت سی ہیں، تجھے اس قاعدہ کی معرفت حاصل ہوگئی ہے، اسے لازم پکڑ۔

## انیسواں قاعدہ

اللہ تعالیٰ قرآنی آیات کو اپنے اسماءِ حسنیٰ پر ختم فرماتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے

کہ مذکورہ حکم کا تعلق اللہ کریم کے اس مقدس نام کے ساتھ ہے۔ یہ کلیہ بہت باریک نکات کا حامل ہے اور نفع بخش ہے۔ تجھے چاہئے کہ ان تمام آیات میں جو اسماء حسنیٰ پر ختم ہوتی ہیں ان کی پیروی میں غور وفکر کرے۔ تجھے ان میں بڑی مناسبت نظر آئے گی تجھے معلوم ہوگا کہ شریعت، امر اور خلق اللہ تعالےٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ سے صادر ہوتی ہیں ان میں منطقی ربط ہے۔

یہ معرفتِ الٰہی اور احکاماتِ الٰہیہ کی پہچان کے سلسلے کا ایک عظیم باب ہے اور یہ علوم و معارف کا سب سے بڑا اور برگزیدہ دروازہ ہے۔ تو دیکھے گا کہ آیاتِ رحمت کا اختتام اللہ رحیم و کریم کی صفاتِ رحمت پر ہوتا ہے اور سزا و عذاب کی آیات کا خاتمہ اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کے عزیز، قدیر، حکیم، علیم اور قہار جیسے اسماء حسنیٰ پر ہوتا ہے۔ اس بارے میں بعض آیات پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اپنے کم علم اور کمزور الفاظ کے باوجود ہم اس کی مناسبت کی طرف اشارہ کریں گے۔ گرچہ اس سلسلے میں مثالوں کا سلسلہ طویل ہو جائے گا کیونکہ یہ موضوع بہت ہی اہمیت کا حامل ہے اور اس بارے میں مروجہ کتبِ تفسیر میں کم ہی پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَسَوّٰاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ: ۲۹)

پھر اللہ تعالیٰ نے سات آسمان برابر کر دیئے وہ ہر شئے کا علم رکھنے والا ہے۔

پس اس آیت میں زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم عظیم کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہ کہ وہ حکیم بھی ہے کیونکہ اس نے اس کائنات کو بہترین کاریگری کے ساتھ اور مضبوط بنیادوں پر کمال درجے کی تخلیق اور تنظیم کو روبعمل لاتے ہوئے پیدا فرمایا ہے۔

اس کی اس تخلیق کا عمل اس کے علم پر دلالت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الملک: ۱۴)

خبردار! وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے وہ بہت ہی باریک بین اور باخبر ہے۔

پس اس کا اپنی مخلوق کیلئے تخلیق اور تسویہ کا عمل (پیدا کرنے اور متوازن اور متناسب بنانے کا

عمل) جیسا کہ وہ انسانوں، حیوانات، نباتات اور جمادات میں کمال درجے پر نظر آتا ہے اس کے علم کے سلسلے میں بہت بڑی عقلی دلیل ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ جس مخلوق کو پیدا فرمائے اسے جانتا ہی نہ ہو۔ وہ ملائکہ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا تذکرہ فرماتا ہے کہ جب اس نے انہیں خبر دی کہ وہ زمین میں اپنا خلیفہ بنانے چلا ہے اور اس سلسلے میں اُن کا جواب نقل فرماتا ہے اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا اور اسے ہر اس شئے کے نام بتا دیئے جو اس نے اس کیلئے پیدا فرمائے تھے اور جو کچھ وہاں موجود تھا اور فرشتے ان اشیاء کی پہچان سے عاجز آگئے اور آدمؑ نے ان کے نام بتلا دیئے:

﴿ قَالُوْا سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾ (البقرہ ۳۲)

فرشتے کہنے لگے، اے اللہ! تو پاک ہے، جو کچھ تو نے ہمیں سکھایا ہے اس کے علاوہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے بے شک تو علم والا اور حکمت والا ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم اور کمالِ حکمت کا اعتراف کیا اور اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ اس زمین میں جو اللہ نے آدمؑ کیلئے تخلیق فرمائی ہے اور اسے اس کے نزول کیلئے تیار کیا گیا ہے آدمؑ کے خلیفہ بنائے جانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے استفسار کے جواب میں غلطی کی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فرشتوں نے باوجود اپنی عظمتِ شان اور اپنے رب کی وسیع معرفت کے اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ رب العالمین کے علم کے مقابلے میں ان کے علوم کمزور ہیں اور یہ کہ اللہ کے دئے ہوئے علم کے ماسواء وہ کچھ نہیں جانتے۔ ان آیات کا اختتام ان دو مقدس ناموں (علیم اور حکیم) پر ہوتا ہے جو حضرت آدمؑ اور اس کیلئے فائدہ مند اور نقصان دہ اشیاء کی تخلیق کے علم اور حکمت اور بہترین مناسبتیں اور مصلحتیں ان پر مرتب ہوتی ہیں پر دلالت کرتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ بات پیش نظر رہے:

﴿ فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ (البقرہ:۳۷)

اللہ تعالیٰ سے آدمؑ نے چند کلمات سیکھ لئے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول

فرمائی بیشک وہ توبہ قبول فرمانے والے مہربان ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ نے بہت سی آیات کو اپنے ان دو ناموں تواب اور رحیم پر اس طرح سے ختم کیا ہے کہ جب بندہ کے اپنے رب کی رحمت، بخشش، بردباری اور توفیق کی طلب کے ساتھ دعا مانگنے کا ذکر آتا ہے تو ان میں سے ہر نام کی بہت بڑی مناسبت ہے اور جب وہ توّاب الرّحیم ہے تو توبہ کرنے والوں کے دلوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان کو ان اسباب کے اختیار کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے جن کا فطرت سلیم تقاضا کرتی ہے۔ان کی برکت سے وہ اپنے رب کی نعمت کو پہنچانتے ہیں اس پر قدرت حاصل کرتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں اور جب ان کے ذریعے سے انہیں اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف بلایا جائے تو لبیک کہتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔اور تمام حالات اور معاملات میں اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اللہ کریم ان سے خوش ہوتے ہیں اور انہیں اپنے فضل وکرم سے نوازتے ہیں اور ان کی توبہ قبول فرماتے ہیں پھر ان کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور ان پر رحم فرماتے ہیں۔ اللہ رحیم وکریم پہلے انہیں توبہ کی توفیق اور اس کے اسباب بہم پہنچانے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پھر دوسری دفعہ اس وقت متوجہ ہوتے ہیں جب ان کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں اور ان کے سوالوں کو منظور کرتے ہیں۔اسلئے ایک اور آیت میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ (التوبہ:۱۱۸)

پھر وہ مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ پلٹ آئیں

یعنی وہ اپنے دلوں (کے خلوص) کے ساتھ اپنے رب کی طرف پلٹ آئیں کیونکہ اگر اس کی توفیق نہ ہوتی اور ان کے دلوں کو اپنی کونی اور علمی نعمت کے ذریعے سے اپنی طرف نہ کھنچتا تو ان کو اس کی طرف راستہ نہ ملتا جبکہ ان پر نفس امارہ غالب آچکا تھا اور واضح دشمن (شیطان) اپنی پوری حیوانیت اور جہالت کے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر ان پر سوار ہو چکا تھا کیونکہ وہ تو برائی اور بے حیائی کا ہی حکم دیتا ہے ماسوائے ان بندوں کے جن پر اللہ رحم فرمائے اور جنہیں اس کی حیوانیت اور جہالت اور ان ساتھیوں سے پناہ دے۔

جب اللہ تعالےٰ نسخ (آیت یا اس کے حکم کے منسوخ ہونے) کا تذکرہ فرماتا ہے تو اپنی کمال

قدرت اور بلا شرکتِ غیر حاکمیت کی خبر دیتا ہے جیسے اس کا ارشاد ہے:

(۱) ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (البقرہ : ۱۰۶)

کیا تو نہیں جانتا کہ بیشک اللہ تعالےٰ ہر بات پر قادر ہے؟

(۲) ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (البقرہ : ۱۰۷)

کیا تو نہیں جانتا کہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ تعالےٰ کی ہے؟

یہ آیت یہود کی تردید کرتی ہے جو نسخ کے منکر ہیں اور خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالےٰ جب کسی حکم کو منسوخ فرماتے ہیں تو وہ نسخ اللہ تعالےٰ کی عظیم قدرت، اس کی حاکمیتِ اعلےٰ اور اس کی حکمتِ بالغہ کی نشان دہی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر اپنے تقدیری اور شرعی احکامات کے ضمن میں پورا پورا اختیار رکھتے ہیں اور یہ سارے اختیارات حق، عدل اور اُس کی حکمتِ بالغہ کے ساتھ بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ جب وہ فرماتا ہے:

(۱) ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرہ : ۱۱۵)

مشرق اور مغرب اللہ کا ہے جس طرف بھی تم پھرو گے اللہ تعالےٰ کا چہرہ پاؤ گے۔

(۲) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (البقرہ : ۲۰)

بیشک اللہ تعالےٰ ہر بات پر قادر ہے۔

یعنی اس کا فضل اور اس کی بادشاہت تمام جہانوں تک وسیع ہے خواہ وہ علوی ہوں یا سفلی۔ اپنے ملک اور اپنے فضل کی وسعتوں کے باوجود اس کا علم ان سب کو محیط ہے اور اس کا علم گذشتہ اور آئندہ امور کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی حکمت بھی اس کے علم میں ہے وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والوں کی نیتوں سے واقف ہوتا ہے جب وہ بغیر قصد و ارادہ کے مقرر قبلہ کی بجائے غلطی سے مخالف سمتوں میں رُخ کرتے ہیں حالانکہ نمازی کا سوائے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے اور کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا کی جبکہ وہ خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (البقرہ : ۱۲۷)

اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دو ناموں کے ذریعے وسیلہ تلاش کیا تھا تا کہ وہ اس بہت بڑے عمل کو قبول فرمالے جبکہ اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں وارادوں کو جانتا تھا اور ان کے کلام کو سن رہا تھا ان کی دعاؤں کو قبول فرما رہا تھا کیونکہ دعا کے مقام پر ___ خواہ وہ عبادت کی پکار ہو یا سوال کے طور پر پکارا جائے۔ سمیع کے لفظ سے مستجیب یعنی دعاؤں کو قبول کرنے والا مراد ہوتی ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر خلیل اللہ کی دعا کے یہ الفاظ ہیں:

﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ بے شک میرا رب دعا کو سننے والا ہے۔

خلیل اللہ نے اپنی اس دعا کو کہ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے ﴿اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (البقرہ : ۱۲۹)

اس کے معنی یہ ہیں کہ اس رسول کی بعثت میں تیری کمال درجے کی رحمتیں، تیری ساری عزتیں اور تیری مکمل حکمتیں مضمر ہیں کیونکہ اللہ احکم الحاکمین کی حکمت سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو یونہی بے لگام اور فضول چھوڑ دے اور ان کی طرف رسول نہ بھیجے۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرما کر اپنی حکمت کو متحقق فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ سے پہلے رسولوں کو مبعوث فرما کر اپنی حکمت اور رحمت کا حق ادا کیا تا کہ اللہ تعالیٰ پر لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اسی طرح تمام معاملات خواہ وہ اس کی تقدیر کے متعلق ہوں یا اس کے قوانین ہوں، اللہ عزیز الحکیم کے غلبے اور اس کے حکمت کے اجراء کے بغیر سرانجام نہیں پا سکتے۔

اللہ تعالیٰ اپنے احکامات اور ان کی جزا کے تذکرے کے سلسلے میں اپنے اسماء حسنیٰ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے زیادہ صراحت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تا کہ اپنے بندوں کو خبردار کرے جبکہ وہ اس کے عظمتوں والے نام پاک سے واقف ہو چکے ہوں اور اس پر جو احکامات مرتب ہوتے ہیں ان سے بھی شناسا ہو چکے ہوں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بعد: ﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ﴾ (البقرہ : ۲۰۹) تمہارے پاس واضح آیات آجانے کے بعد اگر تم ڈگمگا گئے تو یہ

نہیں فرمایا کہ تمہیں یہ سزا ملے گی بلکہ یہ فرمایا: ﴿فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ سابقہ حوالہ

پس جان لو وہ اللہ تعالیٰ غالب اور دانا ہے۔

یعنی تم نے اس کی عزت کو پہچان لیا جو کہ اس کا قہر اور غلبہ ہے اور اس کی قوت اور روک لینے کی طاقت ہے اور اس کی حکمت کو جان گئے جو کہ ہر چیز کو اس کے موقع محل پر رکھنے کے مترادف ہے اور اس کے اصل مقام سے تنزیل محال ہے تو تمہارے لئے گناہوں اور لغزشوں پر اصرار خوف کو واجب کر دے گا کیونکہ یہ بھی اس کی حکمت میں شامل ہے کہ سزا کے مستحق شخص کو سزا دی جائے جبکہ علم ہونے کے باوجود وہ گناہ پر مصر ہو اور یہ کہ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال درجے کے قہر اور غلبے کو جانتے ہوئے مجرم کے سزایاب ہونے میں روکاوٹ بنو اور اسے اپنے جرم کے فیصلے اور سزا پانے سے بچ نکلنے کا سبب بنو۔ اسی طرح سورۃ مائدہ کی اس آیت پر غور فرمائیے:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ (المائدہ:۳۴)

یعنی ماسوائے ان کے جو تمہاری گرفت مضبوط ہونے سے پہلے توبہ کر لیں۔

ان الفاظ کے بعد انہیں معاف کر دینے کی بات نہیں کی یا انہیں چھوڑ دینے کو نہیں کہا یا اسی قسم کا کوئی لفظ نہیں کہا بلکہ یہ الفاظ کہے ہیں:

﴿فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (المائدہ:۳۴)

پس جان لو کہ بیشک اللہ کریم بخشنے والے مہربان ہیں

مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں پتہ چل گیا ہے اور تم سب کچھ جان چکے ہو تو تمہیں اس بات کا بھی علم ہو گیا ہو گا کہ جو شخص بھی توبہ کر لیتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کر لیتا ہے تو اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ پس اس سے سزا کو دور رکھا جاتا ہے اور اسے طاقت کے ذریعے فرمابرداری پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ جب وہ درگذر اور معافی کا مستحق ہو تو اس سے درگذر کیجئے۔ جب چور کی سزا کا حکم آیا ہے تو اس کے آخر میں:

﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (المائدہ:۳۸)

یہ سزا اللہ کی طرف سے سبق اور عبرت ہے اور اللہ بڑا غالب اور دانا ہے

مطلب یہ ہے کہ یہ اس کے غلبے اور حکمت کا تقاضا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور شریعت، قدرت اور قانونِ سزا کو بروئے کار لاتے ہوئے حد سے تجاوز کرنے والوں کو انجام تک پہنچانا بھی غلبہ اور حکمت کا مقتضی ہے۔سورۃ النساء میں جب فرائض اور مواریث کا ذکر کیا ہے تو آخر میں فرمایا ہے۔﴿ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً حَكِيْماً ﴾(یہ تقسیم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے بیشک اللہ تعالیٰ علم والے حکمت والے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اس کے علیم و حکیم ہونے کی وجہ سے وہ جانتا ہے جو بندے نہیں جانتے اور وہ ہر شئے کو اس کا مناسب مقام پر رکھتا ہے۔پس مستحقین میں اموال کی تقسیم کے سلسلے میں اس کے قول، اس کے فیصلے اور اس کی حکمت کے سامنے سرتسلیم خم کر دو۔اگر انسانوں کو ان کے نفسوں کے سپرد کر دیا جاتا اور انہیں کہہ دیا جاتا کہ تم اپنے اجتہاد سے اسے آپس میں تقسیم کرلو تو اس سلسلے میں جہالت، لالچ، سرکشی اور ظلم کا بڑا عمل دخل ہوتا تو وراثت کے معاملات انتشار اور خونریزی کا سبب بنتے اور اس سے وہ نقصانات ظہور پذیر ہوتے جنہیں اللہ ہی جانتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکی ذمہ داری خود قبول فرمائی ہے اور اس کو بڑی حکمت کے ساتھ تقسیم فرمایا ہے جو حالات کے بہت موافق ہے اور نفع سے زیادہ قریب ہے۔

اس لئے جو شخص بھی اس کے احکامات میں عیب نکالتا ہے یا وہ کہتا ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت پر اعتراض کیا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے احکامات بیان کرنے کے بعد اپنے علم اور حکمت کا ذکر کرتا ہے جیسے کہ وہ سزا کے ڈراوے کے تذکرے میں ان دونوں صفات کا ذکر کرتا ہے تاکہ بندوں پر واضح ہو جائے کہ قانون اور سزا اس کے علم اور حکمت کے ساتھ مربوط ہیں اور اس کے علم سے باہر نہیں ہیں۔دعاؤں کو مقاصد کے ساتھ مناسبت رکھنے والے اسماء حسنیٰ کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (اعراف:۱۸۰)

اور اللہ کے خوبصورت نام ہیں ان ناموں کے ساتھ اسے پکارو

اللہ کو اس کے ناموں کے ساتھ پکارتے ہوئے اس کی عبادت کرو اور اس سے اس نام سے طلب کرو جو تمہارے مقصد سے مناسبت رکھتا ہے۔سورۃ حج میں فرمایا:

﴿ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلاً يَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴾ حج:۵۹

اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جہاں وہ خوش ہو جائیں گے بیشک وہ علیم اور حلیم ہے۔

بعد کی آیات بھی اسی مضمون کی پیروی میں وارد ہوئی ہیں۔ ہر آیت انہی دونو مبارک ناموں پر ختم ہوتی ہیں۔ان میں پہلی آیت تو علیم اور حلیم پر ختم ہوتی ہے اس کا علم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی نیتیں پاکیزہ ہوں، ان کے اعمال بہترین ہوں اور ان کے مقامات بہت بلند ہوں۔ وہ انہیں ان کا بدلہ فضلِ عظیم کے ساتھ دے گا اور ان کی برائیوں کے معاملے میں درگزر اور بردباری سے کام لے گا۔ دوسری آیت کا خاتمہ 'عفوٌ غفورٌ' پر ہوتا ہے کیونکہ اس نے گناہ کے برابر سزا دینے سے درگزر کیا ہے اور اپنے فضل و کرم کی طرف پیش قدمی کی ہے کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور برائی کرنے والے کی سزا کو کالعدم کردینے والا ہے اور تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان دونو صفات کے واسطے اس کی عبادت کرو تاکہ اس کی معافی اور بخشش تک رسائی حاصل کرسکو۔

تیسری آیت کا اختتام السمیع البصیر پر ہوتا ہے، اس کی سننے کی طاقت کا اقتضا یہ ہے کہ رات اور دن میں جو چیز سکون پذیر ہے ان کی آوازوں کو سنتا ہے اور دیکھنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اوقات اور حالات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں وہ ان کی حرکتوں کو دیکھتا ہے۔

اور چوتھی آیت العلی الکبیر پر ختم ہوتی ہے کیونکہ مطلق بلندی، کبریائی، عظمت اور بڑائی اسی کی ہے کیونکہ اس کی ان صفات کے مقابلے میں ساری مخلوقات کی صفات ماند پڑ جاتی ہیں اور اس کے سوا ہر معبود باطل ٹھہرتا ہے۔

پانچویں آیت کے آخری الفاظ اللطیف الخبیر ہیں جو اس کے علم کی وسعت اور پوشیدہ باتوں کی باریک بینی پر دلالت کرتے ہیں اور اسی طرح ظاہر اشیاء کی باریک باتوں پر بھی باخبر ہونے کی دلیل ہیں جیسے زمین مختلف اقسام کے بیجوں اور نباتات پر مشتمل ہے اور وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے جبکہ اس نے ان کیلئے طرح طرح کے رزق کے سامان مہیا فرمائے ہیں، میٹھا پانی نازل فرمایا ہے اور خیر کثیر عطا کی ہے۔

چھٹی آیت الغنی الحمید کے بابرکت ناموں پر ختم ہوتی ہے جبکہ آسمانوں، زمینوں اور ان میں ساری مخلوقات پر اسی کی بادشاہت کا تذکرہ ہو چکا ہوتا ہے اور اس بات کا بھی ذکر ہو چکا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ساری چیزوں کو اپنی کسی حاجت کیلئے پیدا نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو مطلق بے نیاز

ہے اور نہ اس کا کمال ان سے وابستہ ہے اس لئے کہ وہ تو خود اپنی ذات میں کامل طور پر ستودہ صفات ہے۔ یہ بات اس بات کی دلیل ہے کہ ساری مخلوق ہر اعتبار سے اسی کی محتاج ہے اور ان پر اس کے احسانات کے باوجود وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔

اس نے سارے آسمانوں اور زمینوں کو خود ہی ان کیلئے مسخر کر دیا ہے کیونکہ وہ خود جمیل ہے اور سارے کام خوش اطواری سے سرانجام دیتا ہے اور اپنے بندوں کے ساتھ بڑی خوبصورتی کے ساتھ الطاف وعنایات کا معاملہ کرتا ہے۔ بندوں پر واجب ہے کہ وہ اس بات کی معرفت حاصل کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں میں، اپنے قانون میں، جزاوسزا دینے میں مستحق حمد وثنا ہے۔ پس ذات، صفات اور افعال میں مطلق حمد کا سزاوار وہی ہے۔

ساتویں آیت کا اختتام الرّ ووف الرحیم کے مبارک ناموں پر ہوتا ہے یہ اس کی شفقت اور رحمت ہی ہے کہ جس نے انسان کیلئے ساری مخلوقات مسخر کر دی ہیں اور زمین وآسمانوں کی حفاظت اور اُن کو اپنی اپنی جگہ پر قائم رکھنے کا انتظام کر رکھا ہے تاکہ یہ ادھر ادھر ہل نہ جائیں اور انسانوں کے مفادات میں خلل واقع نہ ہو جائے اور اس کی رحمت ہی سے سمندر مسخر ہیں تاکہ انسانوں کے منافع اور مصلحتوں کیلئے سمندروں میں کشتیاں اور بحری جہاز چل سکیں اور اس کی مہربانی ہی ہے کہ انسانوں کیلئے گھر بنائے اور ان میں وہ ساری چیزیں مہیا فرمادیں جو انسان کیلئے ضروری تھیں اور ان کی حفاظت اور باقی رکھنے کا انتظام فرمایا۔

جب سورہ شعراء میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا تذکرہ فرمایا ہے تو ہر قصے کے اختتام پر (اِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ العَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ) کے الفاظ آئے ہیں کیونکہ ہر قصہ ہر نبی اور اس کے پیروکاروں کی نجات کے مضمون کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس کی رحمت اور لطف وکرم کا مظہر ہے اور ان کے جھٹلانے والوں کی ہلاکت کے احوال پر مشتمل ہے اور یہ اللہ احکم الحاکمین کے برتر اور غالب ہونے کے آثار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے یہ دونو بابرکت نام انسانوں کی دونو حالتوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کو اپنی قوت، اپنی عزت اور رحمت کی بنا پر نجات دی ہے اور منکرین کو بھی اپنی عزت اور رحمت کے بل بوتے پر ہلاک کیا ہے۔ یہاں

رحمت کا ذکر ان کے جرم کی سنگینی پر دلیل ہے کیونکہ جب بھی اللہ تعالےٰ نے اکثر و بیشتر اپنی نشانیوں دکھا کر، اپنی نعمتوں سے نواز کر اور اپنے رسولوں کو بھیج کر ان کیلئے رحمت کے دروازے کھولے ہیں تو انہوں نے اللہ سے سرکشی کرتے ہوئے اور اپنے کفر و شرک کی وجہ سے وہ دروازے اپنے اوپر بند کر لئے ہیں اور اس راستے کی طرف ہی نہیں آئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان پر اتنا مہلک عذاب نازل نہ ہوتا۔ حضرت عیسیٰؑ کے اس قول میں ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (المائدہ:۱۱۸) (اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو غالب اور دانا ہے) یہ بات نہیں کہی گئی کہ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک تو غفور الرحیم ہے کیونکہ یہ مقام مہربانی اور رحم طلب کرنے کا نہیں تھا بلکہ یہ مقام غلبہ اور انتقام کے اظہار کا تھا اس لئے کہ لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا۔ پس وہاں غلبہ اور حکمت کے بیان کرنے کا مقام تھا جو رحمت اور بخشش کے ذکر سے مقدم ہو گیا تھا۔

امید و رجاء کے موزوں تر مقامات پر رحمت اور عذاب دونو کا ذکر مناسب ہے پھر اس کا خاتمہ اس بات پر ہوتا ہے جو رحمت پر دلالت کرتی ہے۔

ان آیات کو ملاحظہ فرمایئے:۔

(۱)۔ ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (آل عمران:۱۲۹)

اللہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

(۲)۔ ﴿لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (احزاب:۷۳)

تا کہ اللہ تعالےٰ منافق مردوں اور عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے اور مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور اللہ کریم بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔

یہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ اس کی رحمت اس کے غضب اور غلبہ پر سبقت رکھتی ہے اور اس کا ظہور بھی ہوتا رہتا ہے۔ اسباب رحمت میں سے ادنیٰ سبب بھی اسی قاعدہ کلیہ کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے اسلئے ہر وہ شخص جس کے دل میں رائی کے باریک تر دانے کے برابر بھی ایمان

ہوگا دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔ہم انہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے استدلال کی کیفیت کا حال معلوم ہو چکا ہوگا۔

## بیسواں قاعدہ

ایک اعتبار سے سارا قرآن محکم ہے، دوسرے اعتبار سے سارا قرآن متشابہ ہے اور تیسرے اعتبار سے قرآن کا بعض حصہ محکم اور بعض متشابہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں جہات میں سے ہر ایک کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ اس کی کئی آیات محکم ہیں:

﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾(ھود: ۱)

یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے پختہ اور مفصل ارشاد ہوئی ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن حکیم اپنی نہایت مضبوطی اور بہترین ترتیب و تنظیم کے اعتبار سے حکمت کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔اس کی ساری خبریں حق و صداقت پر مبنی ہیں اُن میں نہ تو کوئی ایسی عبارت ہے جس کا بعض حصہ دوسرے کی تردید کر رہا ہو اور نہ ہی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔جن کاموں کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے ان سب میں خیر و برکت اور ہدایت اور درستی ہے اور ان کاموں سے اس نے منع کیا ہے جن کا انسان برائیوں، نقصانات، اخلاق رذیلہ اور برے اعمال کی صورت میں مرتکب ہوتا ہے، یہ سب احکامات ہیں۔

اور اس نے متشابہ کا تذکرہ سورۃ الزمر کی آیت ۲۳ میں کیا ہے:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَاباً مُتَشَابِهًا﴾

اللہ نے ایک ایسی کتاب کی شکل میں بہترین کلام اتارا ہے جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں۔

یعنی وہ حسن، حق، صداقت اور ہدایت میں متشابہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان متشابہ آیات کو نفع

دینے والے معانی کے ساتھ لائے ہیں تاکہ عقلوں اور دلوں کو پاک وصاف کرنے اور حالات کی اصلاح کا باعث بنیں، ان کے الفاظ نہایت ہی خوبصورت ہیں اور معانی بھی کمال درجے کا حسن اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں جیسا کہ اس نے کھیتوں کی فصلوں اور پھلوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بطور انعام دیئے ہیں جن میں ہر چیز نفع دینے والی، جسم کی درستی کرنے والی اور غذا مہیا کرنی والی ہے۔

سورۃ انعام: ۱۴۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنّٰتٍ مَعْرُوْشَاتٍ وَ غَيْرَ مَعْرُوْشَاتٍ﴾

وہ اللہ ہی ہے جس نے تاکستان اور طرح طرح کے دیگر باغ پیدا کئے

اور جنت کی پاکیزہ غذاؤں اور جھکے ہوئے پھلوں کا تذکرہ سورۃ بقرہ: ۲۵ میں ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾

جب کبھی کوئی پھل انہیں کھانے کیلئے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ایسے ہی پھل اس سے پہلے ہم کو دنیا میں دیئے جاتے تھے اور یہ بھی ارشاد الٰہی ہے:

﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾

(آل عمران: ۷)

ان آیات میں سے کچھ تو محکمات ہیں جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔

یہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہ اور یہ کہ جن بندوں کا دل اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم، فہم وفراست سے راسخ اور مضبوط ہیں تو وہ مضبوط پہاڑوں کی طرح ثابت قدم ہیں۔ انہیں شبہات اور خواہشات نفس متزلزل نہیں کر سکتیں کیونکہ وہ متشابہ کو بھی محکم میں بدل لیتے ہیں پس ان کے نزدیک سب آیات محکم ہوتی ہیں وہ کہتے ہیں: ﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ یہ ساری آیتیں اللہ کی طرف سے ہیں، یعنی جو چیز اللہ کی طرف سے ہو اس میں ضد

اور تناقض نہیں ہے جو بات ایک جگہ کچھ متشبہ ہے دوسری جگہ اسے محکم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔
اس طرح یقینی علم حاصل ہوگا اور اشکال ختم ہوگا اس قسم کی کئی مثالیں ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے:

(۱) ﴿ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾
بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

(۲) ﴿ اَنَّہٗ مَا شَاءَ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاءْ لَمْ یَکُنْ ﴾
بیشک اس نے جو چاہا وہ ہو گیا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔

(۳) ﴿ اَنَّہٗ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ وَیُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ ﴾
یقیناً وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا گمراہ کرتا ہے۔

جب ایک شخص متشابہ آیات کو حکمت کے خلاف گمان کرنے لگتا ہے اور اس کا یہ خیال ہو جاتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی کسی قاعدہ کلیہ کے بغیر یونہی ظہور پذیر ہوتی ہیں تو اس کا یہ اشتباہ دور ہو جاتا ہے اور دوسری آیات سے اس پر حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی ہدایت کے بھی اسباب ہیں جو انسان خود پیدا کرتا ہے اور اپنے آپ کو ان سے متصف کرتا ہے جیسے سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلَامِ﴾ (المائدہ:۱۶)
(اس کتاب کے ذریعے) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے۔

اس طرح آدمی کی گمراہی کے اسباب بھی بندہ کی ذات میں موجود ہوتے ہیں اور وہ شیطان سے دوستی ہے۔ سورۃ اعراف: ۳۰ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَرِیْقًا ھَدٰی وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَۃُ اِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ﴾
ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور دوسرے پر گمراہی متحقق ہوگئی انہوں نے اللہ کریم کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنالیا۔

سورۃ صف:۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَا غَ للّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾

پس جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کردیئے۔

جب جبری (وہ انسان جو اپنے آپ کو مجبور تصور کرتا ہے) پر آیات مشتبہ ہوتی ہیں جو یہ سمجھتا ہے کہ بندے اپنے اعمال کے سلسلے میں مجبورِ محض ہوتے ہیں تو اس پر دوسری بہت سی آیات وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر جبر نہیں کرتا اور ان کے اعمال پر درحقیقت ان کا اپنا اختیار اور قدرت ہے۔ جیسے ان لامحدود آیات میں اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے اعمال کو بندوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

جب قدریہ (جو انسان کو قادر سمجھتے ہیں) پر یہ آیات مشتبہ ہوگئیں جن میں اللہ کریم نے اعمال کے نیک و بد کی ذمہ داری بندوں کی طرف منسوب کی ہے اور وہ گمان کرنے لگے کہ اعمال کے سلسلے میں قضاوقدر کا کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس سلسلے میں نہ کوئی مشیت ہے اور نہ قدرت۔ اُن پر بہت سی صریح آیات پڑھی جانی چاہئیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت جو ہر ہر عمل اور ہر صفت پر حاوی ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اسی طرح بندوں کے اعمال کا معاملہ بھی ہے کہ بندے بھی وہی چاہتے ہیں جو اللہ رب العالمین چاہے۔

دونوں گروہوں کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے بیشک ساری آیات اور نصوص حق ہیں اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ان تمام کی تصدیق کرے اور ان پر ایمان رکھے کیونکہ یہ ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے۔ پس نیکیاں اور برائیاں انسانوں سے ہی ان کی مقدر اور ارادوں کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کا بھی خالق ہے اور ان کی قدرت اور ارادے کا بھی خالق ہے۔

بعض آیات میں اس بات کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا تو دوسری آیات میں اس بات کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کردی گئی ہے۔ ایک جگہ پر ایک بات کی وضاحت نہیں کی گئی تو دوسری جگہ اس کو واضح کردیا گیا ہے۔

جو امور لوگوں کے درمیان نیکی اور بدی کی حیثیت سے معروف و مشہور تھے قرآن حکیم میں

ان کا ذکر آ گیا ہے جیسے نماز، زکواۃ، زنا اور ظلم وغیرہ اگر چہ اُن کی تفصیل نہیں بیان کی گئی مگر وہ مجمل بھی نہیں ہیں کیونکہ جو باتیں اُن میں معروف تھیں ان کی طرف انہیں ہدایت دی گئی اور جو باتیں مشتبہ تھیں وہ ہٹادی گئیں پس اس بارے میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم۔

## اکیسواں قاعدہ

قرآنی احکامات زمان ومکان اور حالات کے مطابق لوگوں کے درمیان عرف عام اور مروجہ طور طریقوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جاری ہوتے ہیں۔

یہ کلیہ عظیم قدر ومنزلت کا حامل ہے اور بہت زیادہ نفع بخش ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو معروف (اچھی باتوں) کے بجالانے کا حکم دیا ہے۔ معروف یہ ہے کہ جس کی خوبی شرعی، عقلی اور عرفی لحاظ سے جانی جاتی ہو۔ اللہ کریم نے مومنوں کو نیکیوں کو بجالانے اور برائیوں سے منع کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کو اس وصف کا حامل قرار دیا ہے۔ نیک کام حالات اور اوقات کے تبدیل ہونے سے تبدیل نہیں ہوتے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکواۃ وغیرہ ہیں جو مرتب شدہ شرعی احکامات ہیں نیز کریمانہ اخلاق جیسے نیکی، احسان، بھلائی اور بہادری بھی زمان ومکان کے تبدیل ہونے سے تغیر پذیر نہیں ہوتے۔ انہی حالات وواقعات کا لحاظ کیا جائیگا جو عام طور پر انسان کو پیش آتے ہیں اور اس کے نفع ونقصان کے معاملات ہوتے ہیں کیونکہ یہ احکامات ہمیشہ کیلئے ہوتے ہیں اس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے اور جو کام اس امت کے پہلے لوگوں کیلئے واجب تھے وہ آخر میں آنے والے لوگوں کیلئے بھی واجب رہیں گے اور جو کبائر ہیں جیسے شرک، ناحق قتل، زنا، شراب نوشی وغیرہ جو معروف (نیکی) کی ضد ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے، زمان ومکان کی تبدیلی ان کی برائی کو تبدیل نہیں کرسکتی اور نہ ہی اُن کے احکامات میں کوئی اختلاف واقع ہوسکتا ہے۔

جو امور زمان ومکان اور حالات کی تبدیلی سے تبدیل ہوجاتے ہیں یہاں بحث ان سے ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ انہیں اس زمانے کے عرف عام، لوگوں کے طور طریقوں اور اس وقت کی مصلحت کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ بات کرنے اور ان سے برتاؤ میں احسان کرنے کا حکم دیا ہے مگر اپنے بندوں کیلئے احسان اور بھلائی کی کو خاص قسم متعین نہیں فرمائی بلکہ جو نئے طور طریقے اور حالات پیدا ہوں گے اُن سب کیلئے عام ہے بلکہ بعض زمانے میں ایک بات جو احسان شمار ہوگی وہی دوسرے زمانے کیلئے غیر احسان ہوگی۔

پس جو بات اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے واجب کی ہے وہ یہ ہے کہ تیرے اپنے زمانے اور اپنے علاقے میں تیرے والدین کے حق میں عرف عام میں کس بات کو احسان کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔اسی طرح رشتہ داروں، پڑوسیوں اور ساتھیوں وغیرہ کے ساتھ احسان کے حکم کا معاملہ ہے تو یہ اپنی نوع، جنس اور افراد کے معاملے میں لوگوں کے درمیان متعارف احسان کی طرف رجوع ہوگا ورشریعت میں جسے معروف کہتے ہیں اس کی ضد بھی نہیں ہوگا۔اسی طرح احسان کی ضد نافرمانی اور برائی کا معاملہ ہے اسے بھی عرف عام کے اعتبار سے دیکھا جایئگا جیسے سورۃ النساء میں ارشاد ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

اور اپنی بیویوں کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی گزارو۔

اور سورۃ بقرہ میں ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

اور عورتوں کے بھی دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے فرائض ہیں۔

حقوقِ زوجین کو اللہ تعالیٰ نے معاشرتی زندگی میں تمہارے علاقے، تمہارے شہر اور ماحول اور اجتماعی مرکز کے معروف اور معمول کے طور طریقوں کے مطابق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی جگہ ان معاملات میں ایک عظیم اختلاف واقع ہوتا ہے کہ جس کا شمار بھی ممکن نہیں۔ یہ ساری باتیں قرآن حکیم کی ان مختصر نصوص میں شامل ہیں۔ان آیات سے قرآنی احکامات اور دلائل کی سچائی کا ثبوت ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے سورۃ اعراف میں ارشادات ہیں:

۱۔ ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ (اعراف:۳۱) کھاؤ، پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

۲۔ ﴿یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْآتِكُمْ وَرِیْشًا﴾ (اعراف:۲۶)

اے انسان! ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے جو تمہاری ستر پوشی اور زینت و آرائش کا کام دیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے انسانوں کیلئے کھانا، پینا اور لباس مباح کر دیا ہے لیکن کھانے، پینے اور لباس میں سے کسی چیز کو متعین نہیں فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیزیں حالات، زمانوں اور جگہوں کی تبدیلی سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ پس جہاں کہیں جیسی یہ چیزیں ہوں گی مباح ہوں گی۔ یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ نزول قرآن کے وقت یہ چیزیں موجود تھیں یا غیر موجود تھیں۔ اسی طرح سورہ انفال :۶۰ میں اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ اَعِدُّوْ لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ﴾

اور ان کے مقابلہ کیلئے جہاں تک تم سے ہو سکے (جنگی) قوت بہم پہنچاؤ۔

یہ معلوم ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت جو اسلحہ اور جنگی قوت موجود تھی اب وہ بعد میں موجود نہیں رہی۔ پس یہ آیت ہر زمانے میں اس کے مناسب حال اور مناسب قوت میں جنگی قوت کے ساتھ بہم پہچانے کے سلسلے میں ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالےٰ نے سورۃ النساء: ۲۹ میں یہ آیت ارشاد فرمائی ہے

﴿ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾

ماسوائے اس کے کہ جہاں تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے ہو۔

وہاں تجارت اور جنس کی قسم کو متعین نہیں فرمایا اور نہ ہی خرید و فروخت اور تجارت میں باہمی رضامندی کیلئے الفاظ کو ہمارے لئے محدود کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تمام چیزیں مباح ہیں جن میں تجارت ہوتی ہے جب تک شارع منع نہ فرمادے یا باہمی رضا حاصل نہ ہو اور ان تمام کلمات اور افعال کو محدود نہیں کیا جن سے تجارت منعقد ہوتی ہے۔ باہمی رضامندی کے جس قول اور فعل کے مطابق قیمتیں یا معاوضے یا مفت خدمات اور معاملات طے ہوتے ہیں انہیں متعین یا محدود نہیں کیا ہے۔ قرآن حکیم میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔

## بائیسواں قاعدہ

اُن مقاصد کے بیان میں جن کیلئے قرآن مثالیں بیان کرتا ہے۔

معلوم ہوتا چاہیئے کہ قرآن حکیم ہر قسم کے ان اعلیٰ وارفع اور بہت نفع بخش مضامین پر مشتمل ہے جن کی تمام مخلوق حاجتمند ہے۔ یہ بہترین طریق تعلیم پر حاوی ہے اس طریقے سے قرآن کے معارف و معانی نہایت ہی آسانی اور نہایت ہی وضاحت کے ساتھ انسانی قلوب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بلند مرتبہ طریقِ تعلیم کی ایک قسم ضرب الامثال ہیں۔

اس طریقِ تعلیم کو اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ نہایت اہم امور میں استعمال میں لاتے ہیں جیسے توحید اور توحید پرست کا حال اور شرک اور مشرک کا حال اور ہر بڑا عمومی عمل۔ ان سب سے مراد نفع بخش معانی کی وضاحت، اور مشاہدہ میں آنے والی مثالیں ہیں تاکہ قاری ان معانی کا اس طرح مشاہدہ کر سکے گویا کہ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

یہ اللہ مالک وخالق کی اپنے بندوں کے ساتھ کمال درجے کی عنایت ومہربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اپنی نازل کردہ کئی آیات میں وحی اور علم کی مثال اس بادل اور بارش سے دی ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور لوگوں کے دلوں کو زمیں اور وادیوں سے تشبیہ دی ہے اور وحی اور علم کی انسانی قلوب پر تاثیر کو بارش کے عمل کے مشابہ قرار دیا ہے۔ بارش کے اثرات میں سے یہ بھی ہے کہ بہترین زمین پانی کو قبول کرتی ہے اور سبزیات اور گھاس وغیرہ اگاتی ہے ایسی زمین کو سوچ بچار کرنے والے دلوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے وحی اور کلام اللہ کا مفہوم سمجھتے ہیں، اس کلام کو سمجھ کر حالات کے مطابق اس کو تعلیم و تعلّم کے ذریعے عمل میں لاتے ہیں ایسی بہترین زمین ان کے حال سے مطابقت رکھتی ہے۔

زمین کی ایک اور قسم ایسی ہے جو پانی کو روک رکھتی ہے لیکن اس سے نباتات نہیں اگتی، لوگ اس کے روکے ہوئے پانی سے فیضیاب ہوتے ہیں، خود پیتے ہیں، اپنے مویشیوں کو پلاتے ہیں اور اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں ایسی زمین کو ان دلوں سے تشبیہ دی ہے جو قرآن وسنت سے علوم و معارف حاصل کرتے ہیں پھر امّت تک اُن علوم کو پہنچاتے ہیں لیکن آخرین میں ان علوم کی سمجھ بوجھ، گیرائی و گہرائی، معانی تک رسائی اور نفع بخش اثرات کی وہ پذیرائی نہیں ہوتی جو سابقین اوّلین میں ہوتی ہے۔

ان زمینوں کی اقسام میں سے ایسی زمین بھی ہوتی ہے جو نہ تو پانی کو روکتی ہے نہ نباتات

اگاتی ہے ایسی زمین ان دلوں کی مانند ہوتی۔ ہے جو وحی الٰہی کا علم حاصل کر کے، اسے ذہن نشین کر کے اوراس پر عمل پیرا ہو کر اس سے فیضاب نہیں ہوتے۔ زمین کی دلوں سے نسبت تو ظاہر ہے لیکن وحی الٰہی کی بارش کے ساتھ تشبیہ بھی ایسی ہی ہے کیونکہ بارش پر زمین اور بندوں کی زندگی اور اُن کی ظاہری رزق رسانی کا دارومدار ہے جبکہ وحی الٰہی پر دلوں، روحوں اور ان کی باطنی زندگی کا انحصار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کلمہءِ توحید کو ایک پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے۔ جو ہمیشہ اللہ سبحانہٗ کے حکم سے بارآور رہتا ہے کیونکہ توحید کا درخت مومن کے دل میں ثابت و قائم ہے وہ اللہ کی معرفت، اس کی تصدیق اور آیات اللہ میں غور وفکر کی بدولت کاشت ہوا ہے اور جو پھل وہ دیتا ہے وہ تقویٰ، ایمان، پاکیزہ نیت اور وہ ارادے اور منافع ہیں جو ہر وقت مومن کو حاصل ہوتے ہیں یعنی پاکیزہ ارادے، اچھے اخلاق، نیک اعمال اور سیدھا راستہ ہی وہ منافع ہیں جو مومن کو کلمہءِ توحید کے درخت سے حاصل ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان سے فیضیاب ہوتے ہیں یہ اعمال صالحہ کلمہءِ توحید کے علمبردار کے اخلاص اور اس کے علم و یقین کی بدولت آسمانوں کی طرف اوپر چڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرک کی بھی مثال بیان فرمائی ہے۔ مشرک اللہ تعالےٰ کے ساتھ اور معبود بھی بنالیتا ہے جس کے ذریعے وہ عزت حاصل کرتا ہے اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس معبود سے اسے نفع پہنچے گا اور نقصان سے بچ جائیگا لیکن کمزوری اور شکستگی میں وہ مکڑی کی مانند ہے جو اپنا کمزور گھر بناتی ہے وہ سارے گھروں سے کمزور اور ناپائیدار گھر ہوتا ہے ایسے کو معبود بنانے سے کمزوری پر کمزوری کے سوا اور کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ یہی حال مشرک کا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا سرپرست اور مددگار بناتا ہے اسے سوائے ضعف کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا دل اللہ سے بے تعلق ہو چکا ہے اور جس کا دل اللہ سے منقطع ہو جائے ہر اعتبار سے اسے ضعف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مخلوق کے ساتھ تعلق ضعف پر ضعف کو بڑھاتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس نے مخلوق پر بھروسہ کیا ہے اور اس سے نفع ملنے کا گمان کیا ہے پس اس کا گمان نامراد ہوا اور اس کی تمنا دھری کی دھری رہ گئی۔

لیکن مومن اللہ اور اس کی توحید پر ایمان اور ایک اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے مضبوط ہوتا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اسی کے ہاتھ میں سارا معاملہ ہے؛ نفع پہنچانا اور نقصان سے بچانا اسی کے دائرہ ءِ اختیار میں ہے اور وہ بندہ کے جملہ حالات میں تصرف کا مالک ہے اور وہ بندہ اپنے جملہ افعال واقوال میں سیدھے راستے پر چل رہا ہوتا ہے۔

وہ مخلوقات کی غلامی سے آزاد اپنے ارادے کا خود مالک اور ہر اعتبار سے خود مختار و آزاد ہے جبکہ مشرک اس بہرے غلام کی مانند ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے اور اسے جونک کی مانند چمٹا ہوا ہے؛ وہ جہاں بھی جاتا ہے کوئی بھلائی کا کام نہیں کرتا کیونکہ اس کا دل مخلوقات کی قید میں ہے بلکہ ان کا غلام ہے؛ نہ تو اسے بھلائی کا شعور ہے اور نہ وہ بھلائی کے کاموں میں اختیار اور تصرّف رکھتا ہے۔ مشرک کی مثال ایسے شخص کی بھی ہے جو آسمان سے گر پڑا ہو اور اسے پرندے اچک لیں اور اس کا سارا جسم تتر بتر ہو جائے۔

سورۃ حج میں مشرکین کے معبودوں اور سر پرستوں کی مثال بیان ہوئی ہے کہ مشرکین گمان کرتے ہیں کہ اُن کے معبود اُن کو فائدہ پہنچاتے ہیں اس لئے وہ ان کو پکارتے ہیں جبکہ ان کے معبود مکھی کی مانند ہیں بلکہ مکھی سے بھی گئے گزرے کہ اگر وہ سارے متفق ہو کر مکھی جیسی کمزور ترین مخلوق کو وجود میں لانے کیلئے مل جائیں تو وہ سب مل کر اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے دوسروں کے معاملے میں اُن کا کیا حال ہوگا اور کروڑوں میں سے فرد واحد کی کیا پوزیشن ہوگی۔ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے چھڑانے اور واپس لینے پر قادر نہیں ہیں۔ کیا اس کمزوری سے بڑھ کر کوئی کمزوری ہو سکتی ہے۔

جس دھوکے میں مشرک پڑا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر بھی کوئی دھوکا ہو سکتا ہے اور اس دھوکے اور اس کمزوری کے ساتھ اس کا دل کئی خداؤں کے مابین بٹا ہوا ہے جیسے ایک غلام ہو جس کے بہت سے مشترکہ آقا ہوتے ہیں اس کیلئے ان سے کسی کو راضی رکھنا ممکن نہیں ہے وہ دائمی خرابی اور بہت بڑی بدبختی کے بوجھ تلے ان کے ساتھ نباہ کرتا ہے۔

اگر مشرک اپنے بعض برے حالات سے باخبر ہو جاتا تو وہ اپنی موجودہ پوزیشن کو ترک کر کے آگے نکل جاتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کی عقل اور رائے ماری گئی ہے اور اس سے پہلے

اس کا دین بھی ضائع ہو چکا ہے۔ لیکن اللہ واحد پر ایمان ویقین رکھنے والا اپنے رب کیلئے مخلص ہوتا ہے؛ وہ اپنے پیدا کرنے والے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتا ہے اور وہ نہ کسی اور سے اس کے سوا ڈرتا ہے، اس کے دل کو سکون وقرار نصیب ہوتا ہے اور اس کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ وہی حق پر ہے اسی کی عاقبت زیادہ قابل ستائش ہے اور اس کا انجام بالخیر ہے۔ اسے اس بات کا بھی یقین ہے کہ ابدی فوز وفلاح اور سعادت مندی اس کے حصے میں آئیگی۔ اس کی زندگی پاکیزہ ہوتی ہے اور اس یقین کے ذریعے اسے دنیا اور آخرۃ کی زندگی اس سے بھی پاکیزہ تر گزارنے کی امید ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اعمال کو باغوں سے تشبیہ دی ہے؛ جو بہترین عمل خالص اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے اور اسے کوئی ایسا عارضہ پیش نہ آئے جو اس کے کمال اور خلوص میں خرابی کا باعث بنتا ہو تو وہ اس باغ کے مشابہ ہوتا ہے جو بہت ہی موزوں مقام پر واقع ہو، وہ مفید ہواؤں سے نشو ونما پاتا ہے اور سورج کی روشنی اور تمازت سے بالیدگی حاصل کرتا ہے، اس کے درمیان پانی سے لبریز نہریں جاری ہوں، اگر موسلا دھار بارش نہ بھی ہو تو ہلکی پھوار بھی کافی ہو جائے جو آسمان سے برستی ہے مزید براں وہ زمین بھی نہایت ہی زرخیز اور پاکیزہ ہو۔ ان خوبیوں کے ہوتے ہوئے اس کے پر رونق درختوں، اُن کے پاکیزہ سایوں اور کثیر پھلوں کے کیا کہنے!!

اس کا مالک اللہ کریم کی کثیر اور مسلسل نعمتوں سے فیضیاب ہو رہا ہے اور اس کو ان کے ختم ہو جانے اور ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خوف نہیں۔ اسے اپنے آقا و مولیٰ، مالک وخالق اور اپنے معبود حقیقی کی حفظ وامان پر کامل یقین ہے، وہ اپنے اس اللہ ارحم الرحمین کی حفاظت اور نگرانی پر پوری طرح مطمئن ہے جو زندۂ جاوید اور ہمیشہ دائم وقائم ہے اور کائنات کو بھی قائم رکھے ہوئے ہے جسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔

اس کے برعکس دوسرا آدمی وہ ہے جو اپنے خالق ومالک کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ کرتا ہے، جس ہستی پر وہ بھروسہ کرتا ہے اس کی مثال اس مردہ کی مانند ہے جو اپنی ذات کیلئے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ وہ اسی پر پکا یقین رکھتا ہے اس نے اپنے مال اور اولاد کی حفاظت ونگہبانی اس کے سپرد کر رکھی ہے۔ اللہ کریم اس پر بہت ہی غضبناک ہوتے ہیں اور اس کے باغ پر بگولے اور

ہلاکت آمیز آفات بھیجتے ہیں جو باغ کو برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معبود اور سرپرست اس کے کسی کام نہیں آتے۔

پس وہ حسرت اور شرمندگی کے ساتھ اپنے ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کی عمر بہت زیادہ ہو چکی ہے اور بڑھاپا اس پر طاری ہو چکا ہے اور وہ کام کاج کرنے سے عاجز آ چکا ہے اور اس کے بچے کمزور ہیں ان سے کوئی مدد کی توقع نہیں اور نہ ہی ان سے بے نیازی برتی جا سکتی ہے۔ حالانکہ لوگ اس کی زندگی کے ذرائع و وسائل اور اس کے خاندان کی پر شکوہ زندگی پر رشک کرتے تھے۔ ایسے دھوکے میں پڑے ہوئے انسان کی حسرت و ندامت کیسی ہوگی اور اس کی مصیبت کتنی ہولناک ہوگی؟۔ یہ وہ شخص ہے جس کے نیک اعمال کو اس کے شرک، نفاق اور تباہ کن نافرمانیوں نے ضائع و برباد کر دیا، اس کی بدبختی کے کیا کہنے!!

اس کا بہترین باغ جو پر رونق تھا وہ مکمل طور پر اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اور اس کا پہلی والی پوزیشن پر لوٹ آنا ناممکن تھا۔ وہ اور اس کے خاندان کے پاس سوائے حسرت کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

یہ مثالیں بہترین اور موزوں ترین ہیں اللہ تعالیٰ نے جسے ایمان اور عمل صالح پر ثابت قدم رکھا اس کے انجام کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس آدمی کے انجام کا بھی ذکر کیا ہے جس کے اعمال متضاد اور منافی ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہوں۔

اعمال کو باغوں سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ باغوں کو بار آور اور منافع بخش بنانے کیلئے بہت سے مفید اور قوی عوامل کارفرما ہوتے ہیں؛ ان میں زمین کی زرخیزی ہے اور شادابی و سرسبزی پیدا کرنے والے مواد کی زیادہ مقدار میں موجودگی ہے، مالکِ بستان کا بیدار مغز ہونا اور زمین اور باغ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی ٹیکنالوجی سے واقفیت بھی ضروری ہے اور ان میں سے اہم عنصر پانی ہے۔

اسی طرح وہ اعمال انسانی ہیں جو دل کی پاکیزگی کے حصول میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور فاسد مواد کے اخراج کا باعث بنتے ہیں اور بندہ ان اوصاف سے اپنے آپ کو آراستہ کر لیتا ہے ان میں ایک تو انفس و آفاق میں موجود آیاتِ الٰہیہ میں غور و فکر ہے اور دوسرا قرآنی آیات میں تدبر و تفکر ہے جو پاکیزہ دلوں کو زندہ رکھنے کیلئے نازل کی گئی ہیں۔

اجتہاد، خلوص اور فرمانبرداری کسی عمل کی قبولیت کیلئے مجموعی طور پر وہ شرائط ہیں جن کی کوئی عمل کرنے والا پابندی کرتا ہے تو اس کا عمل ہر طرح کے خوشگوار اور پر بہار پھل لاتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ نے کافر کے عمل کو سراب سے تشبیہ دی ہے جسے پیاسا دور سے پانی سمجھتا ہے، اسے پیاس شدید ہوتی ہے اور تکان نے اسے لاغر کر دیا ہوتا ہے اور وہ جب پانی کے نزدیک آتا ہے تو ماسواء ریت کے ٹیلے کے وہاں اور کچھ نہیں پاتا۔

ایسے اعمال کی مثال جلی ہوئی راکھ سے دی ہے جسے ہوا آکر اُڑا لے جاتی ہے اور باقی کچھ نہیں چھوڑتی۔ یہ حال کافر اور اس کے اعمال کے باطل ٹھہرنے کا ہے کیونکہ اس کا کفر اور اس کی نافرمانیاں اس کے ہر عمل پر جلانے والی آگ کا سا اثر رکھتی ہیں جو ان کو خاکستر کر دیتی ہے۔ وہ اپنی جہالت، نالائقی اور اندھی تقلید کی بدولت انہیں اعمال صالحہ گمان کرتا تھا جب وہ اس کے ثواب کا امیدوار ہو کر وہاں پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اسے پہلے ہی گرد و غبار میں منتشر کر چکا ہوگا۔

سراب وہ چیز ہوتی ہے جس کو پیاسا دور سے تپتے ہوئے صحرا میں پانی سمجھ بیٹھتا ہے وہ پانی تک پہنچنے کیلئے بھاگ دوڑ اور کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پیاسا ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس یہ مثال اس شخص کے عمل کی ہے جو اپنے باپ دادوں اور شیوخ کی اندھی تقلید کی تاریکیوں میں الٹا معلق ہو جسے نفع بخش سمجھ کر اندھا مقلد دن رات سخت محنت کر کے عمل میں لاتا ہے جب مرنے کے بعد وہاں پہنچتا ہے تو وہاں کچھ نہیں ہوتا اور وہ حسرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے جو اس سے پورا پورا حساب لیتا ہے۔

اسی طرح مخلص مومنوں کی فی سبیل اللہ اخراجات کو پر رونق باغوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ریاکاروں کے خرچ کرنے کو ایک چکنے پتھر سے تشبیہ دی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہوتی ہے جب زور کی بارش ہوتی ہے تو مٹی ڈھل جاتی ہے اور چٹان باقی رہ جاتی ہے کیونکہ ریاکار کے دل میں نہ تو ایمان ہوتا ہے نہ تصدیق ہوتی ہے اور نہ ہی اخلاص۔ پس اسے پتھر کی مانند قیاس کر لیجئے وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے ایمان کے زیر اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ ریا اور نمود و نمائش سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ نہ تو دل کو زندگی بخشتا ہے اور نہ ہی پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ یہ صدقات اس بارش کی مانند ہیں جو چکنے پتھر پر کوئی اثر نہیں دکھاتی۔ یہ مثالیں جب مشبّہ بہ امور پر منطبق ہوتی ہیں تو انہیں زیادہ واضح کر دیتی ہیں: نیکی، برائی، کمال اور نقصان کے مراتب و مقامات کھل کر سامنے آجاتے

ہیں۔اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مثال اس شخص سے دی ہے جو اندھیرے میں ہو اور آگ جلائے جب اس کا ماحول روشن ہو جائے اور راستہ واضح طور پر نظر آنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی بینائی سلب کر لے اور اس کی آگ کو بجھا دے پس وہ پہلے والے اندھیرے سے زیادہ تاریکی میں ڈوب جائے۔اسی طرح منافق نور ایمان سے روشنی پاتا ہے جب ہدایت واضح ہو جاتی ہے تو بدبختی اس پر غالب آ جاتی ہے اور حیرت چھا جاتی ہے کہ آیا وہ اپنے باپ دادوں اور شیوخ کے دین پر قائم رہے یا وہ اس دین سے نکل کر ہدایت اور دینِ حق کی طرف آ جائے اور وہ اطاعت و بندگی والے اعمال کرنے لگ جائے جو اس دین کا تقاضہ کرتے ہیں۔پس اس پر شیطان تقلید غالب آ جاتا ہے اور وہ اسے تاریکیوں میں دھکیل دیتا ہے:

﴿اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ﴾ (زخرف:۲۲)

ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک دین پر پایا ہے۔

پھر نور ہدایت اس سے رخصت ہو جاتا ہے اور وہ پہلے کی نسبت زیادہ ٹیڑھے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے اور تاریکی میں حیران و سرگردان بھٹکتا رہتا ہے۔اس قسم کے لوگ سچے دین کی طرف لوٹ کر نہیں آتے،کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے بارے میں یہ طریقہ ہے کہ جب ایک انسان کیلئے ہدایت اور حق واضح ہو جاتا ہے پھر وہ اس سے منہ موڑ لیتا ہے تو اس کے بعد وہ ہدایت کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے حق کو دیکھا تو اسے چھوڑ دیا اور گمراہی کو پہچان لینے کے باوجود اس کی پیروی کی۔یہ مثال منافقین پر منطبق ہوتی ہے کہ انہوں نے سیدھے راستے کو دیکھا اور پہچان لیا پھر ان پر ضرر رساں اغراض غالب آ گئیں اور انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا۔(۱)

---

(۱) منافق کی مثال بیان فرماتے ہوئے دینِ اسلام کو روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے منافق فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ نفس پرستی اور دنیا طلبی کی وجہ سے اسے دین حق کی روشنی نظر نہ آ سکی اور اس سے نور بصارت سلب کر لیا گیا۔ان کی منافقت کے سلسلے میں مؤلفِ محترم کا یہاں شیطانِ تقلید کے کسی کردار کا تذکرہ بیجا معلوم ہوتا ہے۔بلکہ کچھ علماء کے نزدیک آمِنُوا کَمَا آمَنَ النَّاسُ کی رو سے انہیں مومنین کی تقلید کرتے ہوئے ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا عدم تقلید کے جرم کے ارتکاب کی وجہ سے وہ منافق ٹھہرے۔سورۃ زخرف کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے:" اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ" وہ سرے سے منافقین کے بارے میں ہے ہی نہیں بلکہ وہ کفار مکہ کا قول نقل کیا گیا ہے جو اپنے آبائی دین پر قائم رہنے پر اصرار کرتے تھے۔

منافقین کے بارے میں دوسری مثال اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمَاتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾(البقرہ:۹)

یا ان کی مثال بارش کی ہے جس میں تاریکیاں، کڑک اور بجلی کی چمک بھی ہوتی ہے، یہ بجلی کے کڑاکے سن کر اپنی جانوں کے خوف سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ ان منکرینِ حق کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

یہ دوسری مثال گمراہ اور سرگرداں منافقین کے حال پر فٹ آتی ہے جو قرآن سنتے ہیں مگر اس کے مفہوم و معانی کو نہیں پہنچانتے کیونکہ وہ اس سے منہ موڑ چکے ہیں اور اپنے پیشواؤں اور لیڈروں کی پیروی کرتے ہوئے قرآن کی سماعت کو ناپسند کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی اور اس کی رونقوں سے فریب خوردگی کو موسم بہار کی رونقوں سے تشبیہ دی ہے جو دیکھنے والوں کو بہت پسند آتی ہیں اور جاہلوں کو دھوکہ میں ڈالتی ہیں۔ انہیں ان کی پائیداری کا گمان ہوتا ہے اور ان کے زوال کی کوئی امید نہیں ہوتی پس وہ انہیں مقصدِ وجود سے غافل کر دیتی ہیں۔

دنیا کی زندگی بھی اسی طرح بہت تھوڑے وقت میں زوال پذیر ہو جاتی ہے اور اس کی نعمتیں بھی داغِ مفارقت دے جاتی ہیں جس طرح موسم بہار میں سرسبزی و شادابی کے بعد لہلہاتی کھیتیاں چورا چورا ہو جاتی ہیں اور زندگی کے بعد خشکی اور بوسیدگی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس بات کا بہت ساری مخلوق نے مشاہدہ کیا ہے اور اس کا ہر آدمی نے خواہ وہ نیک ہے یا برا ہے اعتراف کیا ہے۔

مگر خواہشاتِ نفسانی کی سرمستیوں اور ایمان کے داعیہ کی کمزوریوں نے جلد ملنے والے مفادات (دنیوی) کو تاخیر کے ملنے والے مفادات (آخرت) پر ترجیح دینے پر مجبور کر دیا۔

## تیئسواں قاعدہ

قرآن حکیم کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ کسی بھلائی کے کام کی حیثیت شرعی طور پر امر کی ہے یا نہی کی ہے یا یہ محض خبر ہے یا یہ عرفی لحاظ سے بھلائی کا کام ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی کی راہنمائی کی جائے کہ وہ مشہور و معلوم اصولوں کے ذریعے نفع بخش احکامات کا استنباط کرے اور ان سے نفع کے حصول کیلئے غور و فکر کو روبعمل لائے۔ یہ قاعدہ بڑا عظیم الشان اور قابل قدر ہے۔

پہلی قسم: قرآنِ حکیم کے اکثر ارشادات خبر اور حکمت پر مبنی امور پر مشتمل ہیں۔

یہاں ہمارے پیش نظر احکامات کی دوسری قسم ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بہت سی آیات میں زمینوں، آسمانوں اور دیگر جہانوں کی تخلیق میں غور و فکر اور مشاہدہ کی دعوت دی ہے اور ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے ہمیں نفع پہنچانے والی مصلحتوں کے پیش نظر انہیں ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس نے لوہا اتارا ہے جس میں جنگی قوت ہے اور لوگوں کیلئے بہت سے فائدے ہیں۔

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾(جاثیہ: ۱۲)

اس نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے خود ہی مسخر کر دیا ہے۔

اس نے عقلوں کو ان میں غور و فکر کرنے کیلئے اور طرح طرح کے علوم و منافع کے حصول کیلئے خبردار کیا ہے۔ جب ہم نے اس میں غور کیا اور اس کے احوال و اوصاف اور انتظامات پر نظر کی کہ یہ کائنات کس لئے پیدا کی گئی ہے اور کس لئے باقی رکھی گئی ہے اور اس میں کونسی نشانیاں ہیں اور کیا کچھ اس میں منافع رکھے گئے ہیں؟ اس پر سوچ و بچار کیا تو ہمیں دو عظیم الشان علوم حاصل ہوئے؛ ان میں ایک علم یہ ہے کہ ہم اس پر غور و فکر کے ذریعے اللہ جلّ جلالہٗ کی صفاتِ کمال و عظمت اس کی بلیغ حکمتوں، اس کی وسیع نعمتوں اور کثیر احسانات پر استدلال کرتے ہیں۔ نیز آخرت اور جنت و دوزخ کی خبروں کی تصدیق اور رسولوں کی سچائی اور جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں ان سب کی حقانیت پر دلائل حاصل کرتے ہیں۔

اہل علم کی اکثریت انہی مظاہر فطرت سے دلائل حاصل کرتی ہے اور ہر عالم اور محقق نے اپنے علم، فکر اور عقل کی رسائی کے مطابق اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ کائناتِ فطرت میں دی گئی نشانیوں سے صرف عقل والے ہی نفع حاصل کرتے ہیں اور ہر وادی قرآن حکیم کے علوم و معارف سے اپنی گنجائش کے مطابق ہی فیضان حاصل کرتی ہے۔ دونوں

میں سے یہ علم زیادہ جلیل القدر، ارفع اور اکمل ہے ۔

دوسرا علم یہ ہے ہم کائناتِ فطرت میں غور وفکر کریں تاکہ اس طریقے سے ہم مختلف النوع منافع حاصل کرسکیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس کائنات کو ہمارے لئے مسخر کردیا ہے اور اسے ہمارے علوم اور اعمال کے تابع کردیا ہے۔ جو منافع اور دینی و دنیوی بھلائیاں ہمیں حاصل ہوتی ہیں وہ اس تسخیر پر دلیل ہیں اور اس نے زمین کو ہمارے ماتحت کردیا ہے اور اس میں جو کچھ برکتیں، خزانے، معدنیات اور نفع بخش ذخائر ہیں بہت کو ہمارے کنٹرول میں دے دیا تاکہ اس میں کھیتی باڑی کریں اور درخت لگائیں زمین سے وہ خام مواد حاصل کریں جس کو نفع بخش صنعتوں میں استعمال میں لاکر ذرائع معیشت کا اہتمام کرتے ہیں خاص طور پر دورِ جدید میں جدید ٹیکنالوجی کے مظاہر اپنی کثرت، رنگارنگی اور اپنی برتری میں سب اسی تسخیر کائنات کے کرشمے ہیں۔

آج کے دور میں منافع کے حصول اور صنعت وحرفت کی ارتقاء کیلئے اس کی ضرورت کا حد سے زیادہ احساس ہو چکا ہے، اس کے مواد اور عناصر میں سے مخلوق کیلئے عظیم فوائد کا ظہور عمل میں آچکا ہے۔ لازمی قاعدہ کے طور پر یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جس چیز کے بغیر مطلوبہ امور تکمیل پذیر نہیں ہوسکتے اس کا حصول ہی مطلوب ہوتا ہے۔

یہ اصول اس بات کی دلیل ہے کہ جدید صنعت اور ایجادات کا علم حاصل کرنا شرعی طور پر اسی طرح مطلوب ہے جیسا کہ یہ عقلی طور پر مطلوب ہے اور یہ کہ اس علم کا حصول جہاد فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتا ہے اور یہ کہ یہ علوم قرآن میں سے ہے۔ بیشک اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے لوہے میں بڑی جنگی قوت رکھی ہے اور لوگوں کے بہت سے منافع ہیں اور یہ کہ اللہ نے زمین میں موجود سب کچھ مسخر کردیا ہے پس اب انسانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ قریب ترین راستے سے منافع کو حاصل کریں۔

یہ مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ بحث و مباحثہ، مسلسل تجربات اور سائنس کی ہر برانچ کے مناسب درس وتدریس کا اہتمام نہ کیا جائے اور یہ بھی قرآن کی آیات میں سے ہے۔ یہ علومِ الٰہیہ کی وسعتوں پر بہت بڑی دلیل ہے اور اللہ تعالےٰ کی اپنے بندوں پر رحمت و حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے ان کیلئے تمام نعمتیں جائز و حلال فرمادی ہیں اور ان کیلئے ان کے

حصول کے طریقے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جدید سے جدید تر ہوتے جارہے ہیں اور انہیں خبر دی ہے کہ قرآن بندوں کیلئے ایک ایسا تذکرہ ہے جو زمان ومکان کی قیود سے ماوراء ہے اور انسان کی ہر قسم کی مصلحتوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

## چوبیسواں قاعدہ

قرآن حکیم ہمیں اعتدال اور میانہ روی کی ہدایت دیتا ہے اور افراط وتفریط اور حد سے تجاوز کی مذمت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل: ۹۰)

اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

(۲) ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ (اعراف: ۲۹)

فرما دیجیے میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔

عدل واحسان کا حکم اور ان کی ضد کی ممانعت کے بارے میں بہت سی آیات موجود ہیں۔ ہر معاملے میں اعتدال کی حد کو لازم پکڑا جائے، اس میں نہ انتہاپسندی اختیار کی جائے اور نہ ہی حد کو پھلانگا جائے۔ اسی طرح عدل کو قائم کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے اور نہ حق کو چھوڑنا چاہیے۔

بہت سی آیات میں عبادت کے سلسلے میں میانہ روی کا حکم ہے اور حد سے تجاوز اور تعدّی سے منع کیا گیا ہے اور کوتاہی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ یہی حضور ﷺ کا طریقہ تھا۔

جس عبادت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس میں دو باتوں کا جمع ہونا ضروری ہے؛ پہلی بات یہ ہے کہ معبودِ حقیقی کیلئے اخلاص ہو یعنی خالص اسی کی عبادت کی جائے، دوسری جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کی جائے۔ جب ان میں سے کوئی ایک یا دونوں باتیں نہ پائی جائیں تو وہ عبث فعل ہے (فضول ہے)۔

نبیوں اور رسولوں کے حق کے بارے میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے اور ساری مخلوق سے بڑھ کر ان سے محبت کی جائے اور ان

کا احترام اور پیروی کی جائے اور ان کی شان اور مرتبوں کو پہچانا جائے جن کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے اُن کو عزت بخشی ہے اور بہت سے آیات میں اُن کے معاملے میں غلوّ سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جن اعلےٰ منازل اور مراتب پر اللہ تعالےٰ نے انہیں فائز کیا ہے ان سے بھی بڑھ کر کوئی اور بلند و برتر مرتبہ تسلیم کیا جائے اور انہیں اللہ تعالےٰ کے ان حقوق میں شریک سمجھا جائے جن میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ان کو جھٹلانے اور ان کی محبت و عزت کو ترک کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالےٰ نے یہودیوں کی طرح انبیاء پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے جیسی باتیں انہوں نے حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں کہی ہیں۔ جو لوگ انبیاءؑ کے بارے میں تفریق کرتے ہیں ان کی مذمت کی ہے کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کر دیں اور اس بات کی خبر دی ہے کہ بعض کا انکار سب سے انکار کے مترادف ہے۔

اسی طرح علماء اور اولیاء کے حقوق کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ ان سے محبت اور ان کی قدر و منزلت کو پہچاننا تو واجب ہے لیکن اس بارے میں حد سے بڑھ کر مبالغہ کرنا اور اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حقوق میں سے کچھ حقوق ان کو تفویض کرنا حلال نہیں ہے اور نہ ہی یہ حلال ہے کہ ان کے شان میں گستاخی کی جائے اور ان سے عداوت کی جائے کیونکہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالےٰ سے جنگ مول لے لی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اخراجات اور صدقات کے سلسلے میں میانہ روی کا حکم دیا ہے اور کنجوسی، کوتاہی اور بخیلی سے جس طرح ممانعت کی ہے اسی طرح ہر قسم کی فضول خرچیوں سے بھی منع کیا ہے خواہ وہ فضول خرچی حلال کام کے سلسلے میں کی جائے یا حرام کام کے سلسلے میں کی جائے۔

اللہ تعالےٰ نے گفتار و کردار کے سلسلے میں جرآت اور شجاعت کے اظہار کا حکم دیا ہے اور بزدلی سے منع کیا ہے نیز بزدلوں، کمزوردلوں اور نحیف جان والوں کی اسی طرح مذمت کی ہے جس طرح جو شیلے اور جذباتی لوگوں کو بُرا بھلا کہا ہے جو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

بہت سی آیات میں صبر کا حکم دیا ہے اور اس پر کاربند رہنے کی تلقین کی ہے اور گھبراہٹ، تھڑدلی اور غصے سے ایسے ہی منع کیا ہے جیسے سرکشی اور سختی سے ممانعت کی ہے۔ جس شخص کے بھی حقوق واجب الادا ہیں انہیں ادا کرنے کا حکم دیا ہے جیسے والدین، رشتہ دار، پڑوسی، بھائی، حکمران،

مزدور، طلباء وغیرہ ہر حقدار کا حق بھی اللہ کے حقوق کی فرع ہے۔ اُن حقوق کا سمجھنا، اُن کا پہچاننا اور اپنی گفتار و کردار میں اُن کا بھلائی اور احسان کے ساتھ ادا کرنا ضروری امر ہے۔ جس نے اپنی گفتار و کردار میں اُن حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتی اس کی اسی طرح مذمت کی ہے جس طرح اُن لوگوں کی مذمت کی ہے جو مذکورہ افراد اور اُن کے ماسوا دیگر افراد کی ادائیگی یا حقوق میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کی خوشنودی اور اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعت پر مقدم سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے، پینے، پہننے، چلنے، پھرنے اور بولنے میں اعتدال کا حکم دیا ہے اور ان تمام امور میں حد سے تجاوز اور فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ جس طرح تعیش پسندی سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور روح و جسم کو تکلیف دینے والی انتہا پسندی کی بھی ممانعت کی ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو علیم وخبیر ہیں نے دو برے اخلاق (افراط و تفریط) کے درمیان میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

﴿كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (البقرہ:۱۴۳)

اسی طرح ہم نے تمہیں میانہ رو امت بنایا ہے۔

## پچیسواں قاعدہ

اللہ جلّ شانہٗ نے حدود اللہ کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور ان سے تجاوز کرنے اور ان کے نزدیک جانے

سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ (توبہ:۱۱۲)

اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔

(۲) ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ (البقرہ:۲۲۹)

یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔

(۳) ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ (البقرہ:۱۸۲)

یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے نزدیک نہ جاؤ۔

حدود اللہ کیا ہیں؟ جن کاموں کی اللہ تعالیٰ نے قوانین کے ذریعے ظاہری و باطنی حدیں مقرر کردی ہیں، جن کو روبعمل لانے کا حکم دیا ہے اور حرام کی ہوئی چیزوں کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لازمی حقوق ادا کیے جائیں اور حرام کی ہوئی چیزوں کو ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے ترک کردیا جائے۔

یہاں ٹھہر کر حدود اللہ کی صحیح طور پر معرفت حاصل کر لی جائے تاکہ یہ پہچان ہو سکے کہ واجبات اور حقوق میں کیا کیا باتیں داخل ہیں۔ پھر ان کی اہمیت کے پیش نظر انہیں کامل طور پر ادا کیا جا سکے نہ کہ ناقص طور پر اور جو چیزیں حرام ہیں ان کی معرفت حاصل ہو جائے تاکہ انہیں ترک کرنے پر قدرت حاصل ہو سکے اور شیطان بعض اشیاء کو بعض کے ساتھ خلط ملط کر دینے پر انہیں آمادہ نہ کر سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول پر نازل کردہ حدود کو نہیں پہچانتے اور حدود پہچاننے والوں کی بہترین طریقے سے تعریف فرمائی ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ جو چیزیں اپنے بندوں کیلئے حلال کی ہیں اور جن کی تفصیل شریعت نے کر دی ہے اس نے ان سے تجاوز کرنے سے یقیناً منع فرمایا ہے اور ان کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے مثلاً کھانا، پینا، لباس اور نکاح ان کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے اور پلید چیزوں کو جو اس نے حرام ٹھہرایا ہے ان سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسی طرح نکاح، طلاق، عدت اور اس سے متعلقہ شرعی احکامات کی پابندی کا حکم دیا ہے اور شرعی طور پر ناجائز کاموں سے تجاوز کرنے سے منع کیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے وراثت کے تفصیلی احکامات کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور ان احکامات سے تجاوز کرنے، جو وارث نہیں اسے وارث بنانے، جو وارث ہے اسے محروم کرنے اور جن باتوں کو فرض کیا ہے اور ان کی تفصیل بیان کر دی ہے ان کو غیر فرائض کے ساتھ تبدیل کرنے سے منع فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان کے نزدیک نہ جاؤ۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ جو چیزیں اس نے حرام ٹھہرائی ہیں ہر پہلو سے ان کے قریب جانا ممنوع ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ابتدائی اقدامات سے بھی ممانعت کر دی گئی ہے اس تک پہنچانے والے اسباب سے بھی منع کر دیا گیا ہے اور اس کے وقوع وارتکاب کو بھی بطریق اولیٰ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔

یہی صورت حال روزے دار پر حرام کردہ اشیاء کی ہے کہ روزے کے وقت کو واضح کر چکنے کے بعد فرمایا:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾(البقرہ: ۱۸۲)

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان کے نزدیک نہ جاؤ۔

اسی طرح شوہروں پر حق مہر کی رقم یا تحائف کی شکل میں جو کچھ انہوں نے اپنی بیویوں کو دے رکھا ہے طلاق کی صورت میں سے کچھ بھی لینے کو حرام ٹھہرایا ہے ماسوائے اس بات کے کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ اس کے بعد فرمایا'' تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا''

اسی طرح ان آیات کریمات کی صورت حال ہے:'' وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا '' اور زنا کے نزدیک نہ جاؤ۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (الانعام: ۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ ماسوائے احسن طریقے کے۔

اور شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا!

﴿ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ. ﴾(المائدہ: ۹۰)

یہ شیطان کے پلید کاموں میں سے ہیں ان سے پرہیز کرو۔

پس نیکی، سعادت مندی اور کامیابی یہ ہے کہ اللہ کی حدود کی معرفت، پاسداری اور حفاظت کی جائے جیسا کہ ہر برائی کی اساس اور سارے مصائب کے اسباب حدود اللہ سے عدم واقفیت ہے اور ان کی حفاظت کو ترک کرنا ہے۔



# چھبیسواں قاعدہ

اصول یہ ہے کہ جن آیات میں قیود پائی جاتی ہیں اُن کے احکامات کا اثبات اُن قیود سے مشروط ہوتا ہے ماسوائے چند ایک آیات کے جو بہت تھوڑی ہیں۔(یعنی اگر وہ شرط اور قید پائی جائے تو حکم پر عمل کرنا لازمی ہوگا ورنہ نہیں)

یہ قاعدہ بہت باریک بینی کا متقاضی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کریم قرآن حکیم میں کسی معاملہ میں کوئی حکم دیتے وقت اس کو کسی قید سے مقید فرماتے ہیں یا کسی شرط سے مشروط فرماتے ہیں تو وہ حکم اللہ کے بیان کردہ وصف کے ساتھ مشروط ہو جاتا ہے۔

ایسے معاملات قرآن حکیم میں بے حد وحساب ہیں۔اس اصول سے استثنائی حالت کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جب بہت سے مفسرین اس معاملے میں بات کرتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے۔یہ بات قابل اعتراض ہے کہ ہر لفظ جو قرآن حکیم میں موجود ہے اس سے کوئی نہ کوئی فائدہ مقصود ہے۔کبھی یہ فائدہ ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہوتا ہے۔مفسرین کے غیر مراد کہنے سے مقصود اس کے حکم کا عدم اثبات ہے یعنی یہ حکم یہاں ثابت نہیں ہوتا ہے۔

پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ شرعی احکام کے اصول اور فروع کا تذکرہ فرماتے ہیں اور اپنے بندوں پر واضح کرنے کیلئے اسے بہترین طریقے سے بیان کرتے ہیں تاکہ اگر وہ فرائض ہیں تو ان کی خوبی ظاہر ہو سکے اور اگر وہ نواہی ہیں تو ان کی برائی واضح ہو سکے۔اس اصول کو پیش نظر رکھ کر درج ذیل آیات پر غور کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگی۔ان آیات میں سے یہ آیت پڑھیے:

﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ﴾(المومنون:۱۱۷)

جو اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ کسی اور کو پکارے اس کیلئے کوئی دلیل نہیں۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو پکارتا ہے وہ کافر ہے اور اس کے پاس مطلق کوئی دلیل نہیں ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرک کی برائی واضح کرنے کیلئے

اسے مقید کیا ہے اور شرک کی کوئی مطلق شرعی اور عقلی دلیل نہیں ہے ۔

مشرک کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے جو اس کیلئے کچھ مفید ثابت ہو سکے ۔ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ مشرکین نے اپنی حماقت اور بیوقوفی کی وجہ سے جو شرعی اور عقلی دلائل کے خلاف تقلیدی عداوت اور دشمنی قائم کر رکھی ہے ان پر اس کی از حد برائی واضح کی جائے اور یہ کہ اُن کے پاس ڈنگروں کی طرح عقل سے عاری اغراض، بُرے مقاصد اور اندھی تقلید کے سوا کچھ نہیں اور اگر وہ تھوڑا سا غور و فکر کر لیں تو جنھیں تھوڑی سی عقل و سمجھ بھی ہے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن عقائد و نظریات پر وہ قائم ہیں انہیں وہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا ئیں گے اس سلسلے میں یہ آیت کریمہ پڑھیں:

﴿وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ (النساء:٢٣)

اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو۔

تمہاری بیویوں جن سے تم نے مباشرت کی ہے کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں اور تمہاری زیر تربیت ہیں (تمہارے لئے حرام ہیں) خواہ وہ لڑکیاں تمہاری گود میں ہوں یا نہ ہوں ہر دو صورت میں حرام ہیں ۔ یہ گود والی شرط ان کی حرمت کیلئے ضروری نہیں، بیشک وہ مطلقاً حرام ہیں ۔ اللہ تعالے نے گود کی قید اس لئے لگائی ہے تا کہ اس صورت میں اس کی برائی اچھی طرح واضح ہو سکے۔

اس فعل کی برائی میں کوئی شک نہیں ہے کہ آدمی اس لڑکی سے نکاح کرے جو اس کی گود میں ہے اور جو اس کی بیٹی کی مانند ہے۔ پس اللہ تعالے نے اس مسئلے کی برائی کا لبادہ چاک کر کے اس کی بدنمائی کو کھول کر واضح کر دیا ہے تا کہ عقلمند لوگ اس سے نفرت کریں۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ یہاں حرمت صرف اس حالت پر ہی منحصر نہیں ہے پس عورت یا تو حلال ہوگی یا حرام ہوگی خواہ آدمی کی گود میں پلی ہو یا نہ پلی ہو بالکل اسی طرح جیسے باقی ماندہ محرم اور غیر محرم عورتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے :

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ (اسراء:٣١)

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

قتل اولاد منع ہے خواہ مفلسی کی وجہ سے ہو یا دیگر بہت سی وجوہات میں سے کسی وجہ سے ہو۔ اس صورتِ حال کے ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ صورت حال ناحق قتل سے متعلق تمام برائیوں کی جامع ہے۔ اولاد پر حد سے زیادہ شفقت فطری بات ہے اس کے باوجود انہیں قتل کرنے کی بہت کم مثال ملتی ہے۔ ایسے قتل کا صدور تقدیر الٰہی کی مخالفت اور اللہ سے بدظنی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

جو لوگ اپنی اولاد کو غربت اور مفلسی کے خوف سے قتل کرتے ہیں وہ تقدیر پر ناراضگی اور مخالفت کی وجہ سے ایسا اقدام کرتے ہیں انہوں نے یہ تقدیرِ ربانی کے تحت ناراضگی، عداوت اور اپنے اللہ سے بدظنی کی بنیاد پر یہ قدم اٹھایا ہے۔ جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ اگر ان کے یہ بچے زندہ رہ گئے تو ان کی مفلسی میں اضافہ ہو جائیگا اور ان کی فاقہ زدگی بڑھ جائے گی۔ پس معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا ہے۔

جب ان کا غریبی کی وجہ سے قتل کا ارتکاب ممنوع ہے تو خوشحالی میں قتلِ اولاد کی بطریق اولیٰ ممانعت ہوگی۔ مزید براں ان کی موجودہ حالت کے تذکرہ سے مراد غالبًا یہ ہے کہ موجودہ صورت میں سبب بننے والے ان اسباب کو زیادہ روشن اور مسائل کو زیادہ واضح کیا جا سکے اور خاوند کا اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے کے بارے میں اس ارشاد کو پڑھیں:

﴿وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَالِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحاً﴾ (البقرہ: ۲۲۸)

یعنی ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ کریں تو رجوع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم بھی اسی قسم سے ہے کہ خاوند مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے کا حقدار ہے خواہ وہ اصلاح کا ارداہ کرتا ہے یا نہیں۔ اس قید کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ کے حکم پر اسے لازی عمل کیلئے امادہ کیا جائے جو اصلاح کا ارادہ کرتا ہے اور جو شخص اپنی مطلقہ بیوی سے اس لئے رجوع کرتا ہے کہ اسے نقصان پہنچائے تو ایسے خاوند کیلئے بیوی کا روک رکھنا حرام ہے اگر چہ وہ روک لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا حکم یہ ہے:

﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (البقرہ: ۲۳۱)

اُن عورتوں کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ رخصت کردو۔

بعض علماء نے اس قید کو عام طور پر اصولی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ خاوند ایام عدت میں صرف اسی صورت میں رجوع کر سکتا ہے جب وہ اصلاح کا ارداہ رکھتا ہو ورنہ نہیں ۔لیکن اگر وہ اس کے خلاف ارادہ رکھتا ہو تو رجوع کرنے کا اسے کوئی حق نہیں یہی بات ٹھیک ہے ۔اسی طرح اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ﴾ (البقرہ:۲۸۳)

اگر تم سفر پر ہو اور کاتب دستیاب نہ ہو تو کوئی چیز قبضے میں لے کر رہن رکھ لو۔

اگر چہ رہن سفر اور حضر دونو صورتوں میں جائز ہے۔اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے شاذ حالات اور شدید ضرورتوں کا تذکرہ کیا ہے جب کہ صورت احوال رہن رکھنے کی متقاضی ہوتی ہے اور یہ حالت سفر میں پیش آتی ہے جبکہ تحریر کنندہ نہیں ملتا اور شے ءمرہونہ موجود ہوتی ہے۔

ایسے ناگزیر حالات میں انسان رہن رکھنے پر مجبور ہوتا ہے جبکہ وثیقہ جات کی موجودگی ناممکن ہو اور سوائے قبضے میں لی گئی مرہونہ چیز کے اور کوئی صورت نہ ہو۔جس طرح سفر کی قید کا تذکرہ ہے اسی طرح شئے مرہونہ کو قبضے میں لانے کی بھی قید ہے۔معاملے صحیح ہونے کیلئے قبضہ شرط نہیں ہے یہ تو صرف احتیاط کیلئے ہے اور کاتب کے نہ ملنے کی صورت میں معاملے کو زیادہ مستحکم کرنے کیلئے ہے۔ اسی سلسلے میں اس آیت پر غور فرمائیں :

﴿ فَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ (البقرہ:۲۸۲)

دو مردوں کو گواہ بناؤ اگر دو آدمی نہ میسر ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں حسب دلپسند گواہ بناؤ۔

یہ حکم باوجود اس اصول کے دیا گیا ہے کہ حق صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کی گواہی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جس طرح دو مردوں کی موجودگی سے ہوتا ہے۔لیکن اللہ تعالےٰ نے حقوق کی حفاظت کی بہترین صورت کا ذکر فرمایا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک گواہ سے قسم لے کر فیصلہ کیا ہے لیکن آیت میں اس حکمت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں بندوں کے حقوق کی حفاظت ان کے اطمینان قلب کے مطابق سب

سے اعلیٰ صورت کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسی قبیل سے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴾ (الاعلیٰ:۹)

پس نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ دے۔

یہ اس کلیہ کی اصل ہے جبکہ بعض لوگوں نے اسے اس کی قسم شمار کیا ہے۔ کیونکہ نصیحت کرنا تو واجب ہے خواہ نصیحت نفع دے یا نہ دے لیکن آیت کو اس پر محدود سمجھ لینا غلط ہے۔ جو شخص آیت پر غور کریگا وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ نصیحت کرنا ہر صورت میں واجب ہے خواہ اس سے مکمل بھلائی حاصل ہو یا اس کا کچھ حصہ یا اس سے برائی کا مکمل طور پر خاتمے ہو یا نا مکمل۔ لیکن اگر نصیحت سے فائدہ کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہو تو اس صورت میں نصیحت کرنا منع ہے۔ جس طرح اللہ سبحانہٗ نے مشرکین کے جھوٹے خداؤں کو گالی دینے سے منع فرمایا ہے جبکہ اس کی وجہ سے اللہ جل جلالہٗ کی ذات اقدس کو مشرکین کی طرف سے گالیاں دیئے جانے کا احتمال ہو۔

اسی طرح نیکی کا حکم دینا بھی منع ہے جبکہ اس پر جس نیکی کا حکم دیا جا رہا ہے اس کی نسبت برائی کا زیادہ خطرہ ہو یا بھلائی کے نقصان کا زیادہ احتمال ہو۔ اسی طرح برائی سے روکنے کا معاملہ بھی ہے جبکہ اس طرح سے اس سے بڑی برائی کے مرتب ہونے کا زیادہ احتمال ہو تو ایسی صورت میں نصیحت کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ممنوع ہے۔ یہ ساری باتیں اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی تشریح و توضیح ہیں:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾ (النحل:۱۲۵)

اللہ کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔

ہم جانتے ہیں کہ ان تمام باتوں سے مراد یہی ہے اور اس پر مثبت یا منفی احکامات ترتیب دیئے جاتے ہیں۔

اسی قسم کی آیت میں سے یہ آیت ملاحظہ فرمایئے:

﴿ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ (آلِ عمران:۱۱۲)

وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔

باوجود اس بات کے کہ نبیوں کا قتل ناحق ہوتا ہے بغیر حق کی قید لگائی گئی ہے۔ اس کی مثال

شرک کے سلسلے میں بیان ہو چکی ہے۔ یہ صورت حال برائی کی ایسی بری حالت سے مطابقت رکھتی ہے جس کے مرتکب کی کوئی نظیر نہ ہو بلکہ اس کا ارتکاب سب سے بڑا جرم ہے اور سب سے بڑی برائی ہے۔ اور اللہ تعالٰی کا یہ فرمان عالیشان پڑھیئے:

﴿لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ الانعام:۱۵۱

اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔

یہ اس قسم کے ساتھ تعلق نہیں رکھتی بلکہ یہ پہلی قسم کے ساتھ متعلق ہے جو کہ اصل ہے اور حق کی تفسیر جس کے ساتھ اللہ تعالٰی نے یہاں قید لگائی ہے حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال سے کی گئی ہے۔ وہ یہ ہیں:

''النفس بالنفس'' (جان کے بدلے جان)، ''الزانی المحصن'' (شادی شدہ زانی کی سزا) ''التارک لدینہ المفارق للجماعۃ'' (دین کے ترک کرنے والا جماعت کو چھوڑنے والا ہے)۔

اسی طرح اس آیت کریمہ کا حال ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ (النساء:۴۳)

اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو یا عورتوں کو مس کیا ہو پھر اسے پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر لے۔

پانی کے نایاب ہونے کے باوجود سفر شرط نہیں ہے بلکہ پانی کی عدم دستیابی ہی تیمم کو جائز قرار دیتی ہے خواہ سفر ہو کہ حضر۔ لیکن سفر کا ذکر اس حلت کے بیان کرنے کیلئے کیا گیا ہے جس میں پانی کی نایابی کا عام طور پر امکان ہوتا ہے۔ لیکن حضر میں پانی کی عدم دستیابی بہت ہی شاذ ہوتی ہے۔

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ اکیلا سفر ہی تیمم کو مباح قرار دیتا ہے۔ اگر پانی موجود بھی ہو تو بہت ہی کم ہوتا ہے اور سنتِ رسول ﷺ، تعاملِ صحابہ اور اقوال ائمہ میں اس قول کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (النساء:۱۰۱)

جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو تو نماز قصر کر لینے میں کوئی گناہ نہیں اگر خوف ہو کہ کفار تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے۔

یہ حکم اس کے باوجود ہے کہ خوف نماز کے قصر کرنے کیلئے شرط نہیں بلکہ صرف سفر ہی میں قصر کیلئے کافی وجہءِ جواز ہے۔ جب حضور آقائے کائنات ﷺ سے اس کے بارے پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

یہ اللہ کریم نے تمہارے اوپر صدقہ کیا ہے اسے قبول کرو۔ یہ احسان ہر زمانے اور ہر جگہ کیلئے ہے۔ اسے خوف یا کسی اور قید سے مقید کرنا درست نہیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ قید پہلی قسم سے ہے کیونکہ مکمل قصر رکعتوں کی تعداد، ارکان اور حالتوں کی قصر ہے۔ آیت کریمہ میں جس طرح سفر اور خوف کی اجتماعی شرط کا تعلق ہے تو اگر صرف خوف ہی پایا جائے تو نماز کی رکعتوں کی تعداد تو کم نہیں ہوتی مگر نماز کی ہیئت وصورت اور خدمات کی قصر ہوتی ہے اور اگر صرف سفر موجود ہو تو اس کی ہیئات اور شرائط میں کوئی قصر نہیں ہوتی مگر تعداد میں قصر ہوتی ہے اور یہ چیز جناب رسول اللہ ﷺ کے کلام کے منافی نہیں ہے کیونکہ صحابہؓ نے صرف تعداد کے بارے میں سوال کیا تھا، آپؐ نے اس بات کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ یہ رخصت سارے حالات میں عام ہے۔ یہ تقریر آیت کے ظاہر سے مطابقت میں بہت عمدہ ہے جو حدیث سے متصادم بھی نہیں ہے، استفادہ کیلئے تعیّن کرنا لازمی شرط ہے۔

## کُلیّہ نمبر ۲۷

### موقع ومحل کے مطابق قرآن میں تحفظات کا استعمال

یہ بہت نفع دینے والا قاعدہ ہے اور کثیر الوقوع ہے یہ اس طرح ہے کہ جہاں اللہ کریم کوئی حکم یا کوئی خبر لاتے ہیں تو ذہن کسی اور طرف منعطف ہوتا ہے اور اسی کے متعلق کسی اور بات کا اضافہ کر دیتے ہیں پھر اس کی بہترین طریقے سے وضاحت کر دیتے ہیں۔ یہ تعلیم کی بہترین قسم ہے اس

طرح سے ہر مشکل مقام کو سہل کر دیا جاتا ہے اور ہر احتمال کی وضاحت کر دی جاتی ہے یہ بات اللہ کریم کے فضل عظیم اور حکمتِ بالغہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ چیز قرآن حکیم میں کثیر الوقوع ہے ہم اس قاعدہ کی توضیح کیلئے کئی مثالیں بیان کریں گے۔

اس کی ایک مثال سورۃ النمل :۹۱ میں ہے:

﴿اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذَا الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾

بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی ہے۔

جب اس ذکر سے مکہ کو مخصوص کیا گیا تو ذہن ربوبیتِ مکہ کی تخصیص کی طرف متوجہ ہوا اس وہم کو "وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ" (ساری اشیاء کا مالک وہی ہے) کی آیت نے زائل کر دیا۔ دوسری مثال سورۃ ہود کی آیت ۱۰۹ ہے:

﴿فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ﴾

جن معبودوں کو یہ مشرکین پوجتے ہیں آپ ان کے بارے میں شک میں نہ پڑیئے

جب ذہن میں یہ گمان آیا کہ مشرکین اپنے شرک کے ثبوت میں کسی دلیل اور برھان کے حامل ہوں گے تو اللہ کریم کے اس قول سے اس کی تردید ہوگئی:

﴿مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ (ہود:۱۰۹)

جن معبودوں کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں اُن کی یہ عبادت اس طرح کی ہے جیسے اُن کے باپ دادوں کی ان سے پہلے تھی۔

بے شک ان کی گمراہی ان کے باپ دادوں کی اندھی تقلید اور اُن کے مشابہ جہالت کا نتیجہ ہے اور جب یہ وہم پیدا ہونے لگتا ہے کہ وہ اس قول اور اپنے شرک اور کفر پر یقین کی وجہ سے مطمئن ہیں تو اللہ تعالےٰ کا یہ قول اُن کے اطمینان کو انتشار اور اضطراب میں تبدیل کر دیتا ہے:

﴿وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ﴾ (ھود:۱۰۹)

اور ہم اُن کا حصہ بغیر کسی کمی کے بھرپور دیں گے۔

ہم اس سے پہلے موسیٰ کو بھی کتاب دے چکے ہیں اور اس بارے میں بھی اختلاف کیا گیا

تھا۔ اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے طے کردی گئی نہ ہوتی تو اُن اختلاف کرنے والوں کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک اور خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔

پس اس سے واضح ہو گیا کہ انہیں اپنے دین اور اپنی پسند کے مطابق آخرت میں جزا کے بارے میں یقین اور اطمینان حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ جو غالب اور دانا ہے گمراہوں کو اُن کی خواہش کے مطابق بدلہ دے۔

اللہ تعالےٰ سورۃ النساء: ۹۵ میں یہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

مومنوں میں سے گھروں میں بیٹھ رہ جانے والے (مجاہدین) کے برابر نہیں ہو سکتے۔

جب کبھی گمان کرنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ بیٹھنے والے برابر نہیں ہیں خواہ وہ معذور ہی کیوں نہ ہوں تو یہ وہم اس توضیح سے زائل ہو جاتا ہے: (غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ) بغیر کسی معذوری کے۔ ایسے ہی یہ آیت بھی ہے:

﴿لَا يَسْتَوِى مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا﴾(الحدید: ۱۰)

تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنھوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾(الحدید: ۱۰) اور ہر ایک کیلئے اللہ کا اچھا وعدہ ہے۔

پھر جب کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ عمل مذکور اگرچہ اخلاص سے خالی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس مقام کا حق دار ہے۔ تو اس وہم کو اللہ تعالےٰ کے اس قول نے زائل کر دیا:

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کریم اس سے باخبر ہے۔

سورہ النمل میں اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے:

﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾(النمل: ۴۸)

اور شہر میں نو جتھے دار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے تھے۔

جب کبھی ذہن میں ان مردوں پر اصلاح پذیر ہونے کا گمان گزرتا ہے تو ۔۔( وَلَا یُصْلِحُوْنَ ) اور وہ کوئی اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے تھے ۔۔ کے الفاظ آ جانے سے یہ وہم زائل ہو جاتا ہے یعنی اُن کے بہت بڑے شر کے ساتھ قطعاً کوئی نیکی نہیں تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر یہ فرمایا ہے :

﴿ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ ﴾ (النمل:۸۰) اور آپ بہرے کو پکار نہیں سنا سکتے۔

جب کبھی کسی کو یہ گمان ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ بھی سنیں تو ممکن ہے کہ وہ اشارہ کو سمجھ جائیں تو اس احتمال کو آیت کے اس ٹکڑے نے زائل کر دیا (اِذْ وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ) جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔

پس اس حالت میں سننا اور دیکھنا دونو منقود ہیں جس سے اشارہ سمجھنا چاہئے ۔ یہ صورت حال منہ پھیر لینے کی انتہائی حالت ہے۔

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ ﴾ (قصص:۵۶)

لیکن اللہ کریم جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں

جب کسی کو یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت بغیر کسی سبب کے محض انکل سے آتی ہے تو یہ وہم اس ارشاد سے زائل ہو جاتا ہے:

﴿ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾ اور وہ ہدایت پانے والوں کو بہتر جانتا ہے۔ یعنی اپنی پاکیزگی اور نیکی کی وجہ سے کون ہدایت کے قابل ہے اور اللہ کریم کی آیات میں غور و فکر کر کے کون ہدایت کیلئے آمادہ ہے اور اس کی طلب رکھتا ہے اور اللہ کے رسولوں کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو سمجھنے کا کون شوق رکھتا ہے؟

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس کی اس حکمت کے تابع ہے کہ اشیاء اپنے موقع و محل پر رکھی جاتی ہیں اور جو سمجھ بوجھ رکھنے والا ہو اور اندھا مقلّد نہ ہو وہ اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم

## کُلیّہ نمبر ۲۸

مومن کے اُن اوصاف کا تذکرہ جو ربّ کائنات نے اپنی کتاب حکیم میں بیان فرمائے ہیں۔

چونکہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اور کامیابی کی بنیاد ایمان ہے اور اس کے عدم وجود سے دین

،دنیااور آخرت کی ساری بھلائیاں نایاب ہوتی ہیں اس لئے اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ایمان کا بہت زیادہ ذکر کیا ہے یعنی ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اس کی ضد (کفر) سے منع کیا ہے، اس میں رغبت دلائی ہے اور اہلِ ایمان کی اوصاف بیان کئے ہیں اور اُن کو دنیا اور آخرت میں جو جزاء ملنے والی ہے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

جب مومنوں کو امر و نہی کے احکامات کے بارے میں خطاب کا کوئی مقام ہو یا امورِ دنیا کے سلسلے میں مومن کیلئے احکامات وقوانین کے نفاذ کا کوئی موقع ہو تو سارے مومنین مخاطب ہوتے ہیں خواہ وہ واجباتِ ایمان اور اس کے احکامات پر پوری طرح یقین رکھتے ہوں یا اس میں کچھ کوتاہی کے مرتکب ہوں۔ اگر مومن کی مدح وتعریف اور بہترین جزا کے ذکر کا مقام ہو تو اس سے سچا ایمان اور ایمان کے سارے معنوں کا جامع مراد ہوتی ہے یہاں ہم اسی قسم کے مومن کے اوصاف بیان کرنے جا رہے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے اپنی کتاب حکیم میں ان تمام باتوں کی تصدیق اور اقرار کی وجہ سے مومن کی تعریف بیان کی ہے۔ ان میں دین کے سارے عقائد شامل ہیں، جس کام کو اللہ محبوب رکھتا ہے اور پسند کرتا ہے مومن بھی اس سے محبت کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور جس بات کو اللہ تعالےٰ ناپسند فرماتے ہیں مومن بھی اس سے دوری اختیار کرتا ہے اور اس سے پرہیز کرتا ہے اور ہر حالت میں ہمیشہ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور رجوع کرتا ہے اس کے ایمان کے پاکیزہ ثمرات اس کے اعمال اور اخلاق ہیں۔ اللہ کریم نے جن بنیادی جامع اصولوں پر ایمان لانے کی وجہ سے مومنین کی توصیف بیان فرمائی ہے وہ یہ ہیں:

اللہ پر ایمان، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور قیامت پر ایمان، اچھی یا بری تقدیر پر ایمان، اور جو دین تمام انبیاء دنیا میں لے کر آئے اس پر ایمان اور غیب پر ایمان۔

اللہ تعالےٰ نے اُن کی توجہ کے ساتھ دین کی باتیں سننے، اطاعت کرنے اور سرِ تسلیم خم کر دینے والی ظاہری اور باطنی خوبیوں کی وجہ سے اُن کی تعریف بیان فرمائی ہے اور اُن کے یہ اوصاف بیان فرمائے ہیں:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ o اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ (انفال:۲)

بے شک مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اُن کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی مومن ہیں:

اللہ کریم نے اُن سے انعامات اور پاکیزہ خوشخبریوں کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ (الحج: ۳۴۔۳۵)

اے نبیؐ! بشارت دے عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو اِن کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جو مصیبت بھی ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے اُن کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور انہیں اللہ کی آیات پڑھ سن کر اور اس کے ذکر سے سکون وقرار نصیب ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ ظاہر اور باطن میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو کچھ وہ دیتے ہیں سو دیتے ہیں مگر اُن کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تمام حالات میں عموماً اور نماز میں خصوصاً ان کے خشوع وخضوع کی تعریف بیان کی گئی ہے اور یہ کہ وہ لغو باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں، زکواۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں، وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور اُن عورتوں کے جو اُن کے ملک یمین میں ہوں کہ اُن پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں، وہ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور وہ اپنے وعدوں اور امانتوں کا خیال رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا وصف بیان فرماتے ہوئے اس طرح فرمایا ہے کہ وہ زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل اُن کے منہ آئیں تو

کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام ہو اور وہ اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزار دیتے ہیں اور اپنے اخلاق کے ساتھ اپنے رب کے حضور اس طرح عرضداشتیں پیش کرتے ہیں:

''اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب سے ہمیں بچا لے'' اور اپنے سارے کاموں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرتے ہیں جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ ان دونو انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر رہتے ہیں اور یہ کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ کہ وہ جھوٹ کے گواہ نہیں ہوتے کسی لغو چیز پر اس کا گزر ہو تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں اور اگر اُن کو ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو سجدوں میں اپنی ٹھوڑیوں کو رگڑتے ہیں اور آہ وزاری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر اور آیات کو سن کر ان کے خشوع وخضوع اور رجوع الی اللہ میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ بلندی درجات کے طلبگار ہوتے ہیں اور وہ ہدایت، ایمان، تقویٰ اور بہترین اخلاق کے اماموں سے کم کسی درجے پر راضی نہیں ہوتے ہیں اور اپنی اولاد اور بیویوں کے حقوق کے معاملے میں اُن کو ادب سکھانے اور تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اُن پر بہترین طریقے سے کنٹرول کرتے ہیں تاکہ وہ اُن کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں کیونکہ انہیں اللہ کے حضور اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کے سلسلے میں جواب دہ ہونے کا احساس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کامل یقین وایمان کی تعریف بیان کی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے نیز ان کی اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کی بھی توصیف کی ہے۔

وہ جن کاموں کو عمل میں لاتے ہیں اور جن کو ترک کر دیتے ہیں اپنے رب کے ساتھ خلوص کی بنا پر ایسا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے رب نے ان کی تعریف کی ہے۔ وہ اہل ایمان سے محبت کرتے ہیں اور اپنے اسلاف اور اخلاف کیلئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں اور اپنے مومن بھائیوں کے خلاف اگر ان کے دلوں میں کسی قسم کا کوئی بغض وعناد ہوتا ہے تو اس کے ازالے کیلئے کوشش کرتے رہتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے محبت کرتے ہیں اور اعدائے اسلام سے ہر قسم کی براءت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ وہ نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں اور ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ان

اوصاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف کی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ساری خوبیاں ان میں جمع کردی ہیں مثلاً صحیح عقیدہ، یقین کامل، اوامر کی پابندی، نواہی سے اجتناب اور حدود اللہ کا لحاظ۔ وہ یہ سارے کام کامل رجوع الی اللہ کے ساتھ روبعمل لاتے ہیں۔ یہ سارے اوصافِ جمیلہ مومن کے ہیں جس نے اپنے آپ کو عذاب کے اسباب سے بچالیا ہے اور بہترین ثواب کا مستحق قرار دیا ہے اور ایمان پر مرتب ہونے والی ہر بھلائی کو پالیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ حکیم میں ایمان پر مرتّب ہوے والے جو فوائد اور ثمرات گنوائے ہیں اُن کی تعداد سو سے کم نہیں ہے اُن میں سے ہر ایک دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

ایمان پر مرتب ہونے والے ثمرات میں سے ایک ثمر یہ ہے کہ مومن اللہ کی رضا حاصل کر لیتا ہے یہ ثمر سارے انعامات سے بڑا انعام ہے اور دیگر ثمرات یہ ہیں: جنت میں داخلہ، دوزخ سے نجات، عذاب قبر اور قیامت کی ہولناکیوں سے سلامتی اور دنیا اور آخرت کی زندگی میں کامل خوشخبری، دنیا کی زندگی، قبر اور موت کے وقت ایمان اور اطاعت پر ثابت قدمی۔

ایمان پر مرتب ہونے والے دیگر ثمرات درج ذیل ہیں:

دنیا میں پاکیزہ زندگی، عزت والا رزق، آسان راستہ (بھلائی اور نیکی کے راستے) پر چلنے میں آسانی، مشکل (خلاف فطرت) راستے سے پرہیز، دلوں کا قرار وسکون، روحوں کی راحت، کمال درجے کی قناعت، حالات اور اولاد کی درستگی، تکلیفوں اور پریشانیوں کے بوجھوں کا ہٹایا جانا، اعداء کی ساری شرارتوں کے مقابلے میں اللہ کریم کی مدافعت اور نصرت اور بھول چوک کی صورت میں گرفت کی معافی کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین کی گردنوں سے وہ سارے بوجھ اور وہ سارے طوق اتار دیئے ہیں جو غفلت میں پڑے (ائمہ ءضلالت) کے اندھے مقلّدوں اور دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا بدبختوں نے اپنے پاؤں میں اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے ڈال رکھے ہیں۔

پس ایمان اللہ تعالیٰ کے قرب، ثواب اور رحمت کے حصول کا سب سے بڑا وسیلہ ہے نیز یہ گناہوں کی بخشش، دکھوں اور تکلیفوں میں کمی اور ان سے نجات پانے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔

# کُلیہ نمبر ۲۹

علوم القرآن کے ان فوائد کا ذکر جو بندہ اپنے فہم وفراست کی بدولت حاصل کرتا ہے۔

یہ قاعدہ علم التفسیر کا تقریباً مقصودِ اعظم ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم مختلف علوم اور ان کی جلیل القدر اقسام پر مشتمل ہے۔ عقلمند آدمی وہ ہوتا ہے جو اپنا خیر خواہ ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن حکیم کے مضامین پر غور وفکر کرے اور ان کی تمام اقسام کو پہچانے اور ان پر عمل کرے اور جو آیات اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں ان کی پیروی کرے اور دیکھے کہ ان آیات سے کیا معنی مقصود ہیں۔ آیا صرف علم کا حصول یا تصدیق مراد ہے یا امر ونہی کے احکامات کے مطابق احوال کی درستی اور ان پر عمل پیرا ہونا مقصود ہے۔

عام طور پر بڑے بڑے علوم القرآن یہ ہیں:

علم التوحید، اللہ کی صفاتِ کمال، توحید الٰہی، اس کے اسماء اور صفات کے سلسلے میں آیات پر توجہ دی جائے۔ جب یہ آیات سمجھ آ جائیں اور اُن کا منشا ومراد ذہن نشین ہو جائے تو انہیں اس طرح اللہ واحد کیلئے ثابت کیا جائے کہ کسی اور ہستی کی اللہ واحد کے ساتھ مشابہت نہ دی جا سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات میں اس جیسا کوئی نہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کی عظمت وکمال کا جتنا علم رکھتا ہے اس کے مطابق اس کا دل اپنے رب کی معرفت اور محبت کے جذبات سے بھر جائے کیونکہ یہ دلوں کی جبلت ہے کہ وہ صفتِ کمال سے متصف ہستیوں سے محبت رکھتے ہیں۔ پس جو ہستی کمالِ مطلق کی حامل ہے اس کے کیا کہنے! اسی سے عظیم المرتبت انعامات کا ظہور ہوتا ہے۔ بندہ سارے اصولوں کی جڑ بنیاد کو پہچان لیتا ہے جو ایمان باللہ ہے۔ بندہ جتنا زیادہ اپنے رب کی معرفت اور اس کی صفات کے اثرات کو اپنی ذات پر اور دوسرے لوگوں پر مرتب ہوتے مشاہدہ کرتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ اس کی صفات کے معانی ومفہوم تک رسائی حاصل کرتا ہے اور اتنا ہی وہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی قدر ومنزلت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور اتنا زیادہ وہ اس کا شکرانہ ادا کرتا ہے اور وہ اس بات کی معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے کہ اس علم کی تکمیل سے ہی اس کے علوم اور اعمال پایۂ تکمیل تک پہنچتے ہیں اور یہی اصل علم ہے اور اصل عبودیت ہے۔

علوم القرآن میں انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام اوران کے احوال شامل ہیں یعنی جس قسم کے موافق یا مخالف حالات کا انہیں سامنا کرنا پڑا اور جن دوستوں اور دشمنوں سے انہیں سابقہ پڑا اور وہ جس قسم کے عظیم المرتبت اوصاف اور کریمانہ اخلاق سے متصف تھے۔ یہ ساری باتیں اسی زمرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

جب اس سلسلے کی آیات سمجھ جائیں تو اللہ کریم کی معرفت اور انبیاءؑ کی محبت میں گرانقدر اضافہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ المقدور مومن اُن کے اخلاق اور اعمال کی پیروی کرتا ہے اور ان پر ایمان لانے کی حقیقت سمجھ آجاتی ہے۔

مومن ان کے احوال، اُن کی محبت اور ان کی پیروی کی مکمل معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء کے بہت سے محاسن اور خوبیاں بیان کی گئی ہیں جن سے کمال درجے کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اُن آیاتِ کریمات سے اُن کی حکیمانہ شریعتوں کی پیروی، مخلوقات کی راہنمائی کیلئے بہترین ارشادات اور خطابات، لوگوں کے سوالات کے پر لطف جوابات اور لوگوں کی ایذا رسانیوں کے مقابلے میں کمالِ صبر کے مظاہروں سے ہم مستفیض ہوتے ہیں قصص الانبیاء سے مقصود قصہ گوئی نہیں ہے بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنا مطلوب ہے۔

علوم القرآن میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سعادت مند اور اہل خیر کا ذکر کر کے انہیں بد بخت اور اہل شر سے ممیز کیا جائے اور اوّل الذکر لوگوں کی صفات اور طور طریقے بیان کئے جائیں جن کی بدولت وہ نعمتوں بھرے بہشتوں میں داخلے کے مستحق ٹھہرے اور آخر الذکر لوگ واصلِ جہنم ہوئے۔

اُن علوم کی معرفت سے نیک لوگوں کی پیروی کی ترغیب اور برے لوگوں کے انجام سے ڈر کر اُن سے پرہیز کرنے کے فوائد حاصل ہوں گے، اس سے نیک لوگوں سے محبت اور اُن سے تعلق پیدا ہوگا اور برے لوگوں سے بغض اور ان سے عداوت کا اظہار ہوگا کیونکہ یہ ایمان کے مضبوط ترین ثمرات ہیں اور تو ان کے حالات سے جتنا زیادہ واقف ہوگا اتنا ہی زیادہ ان مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوگا۔

علوم القرآن میں دنیا، برزخ اور آخرت میں نیک اور برے اعمال کی جزاء کا علم بھی ہے۔ اس کے عظیم الشان مقاصد ہیں جن میں اللہ کریم کے عدل و انصاف اور اس کے فضل و کرم کی وسعت اور قیامت پر ایمان شامل ہیں، قیامت کے دن جو احوال پیش آئیں گے ان کی معرفت پر سارے ایمان کا دارومدار ہے اس سے مقصود اچھے اعمال کی رغبت دلانا ہے جن کی اچھی جزاء ملے گی اور برے اعمال کا خوف دلانا ہے جن کا برا انجام ہوگا۔

علوم القرآن میں امر و نہی کا معاملہ بھی ہے اس کے مقاصد بھی عظیم الشان ہیں:

اللہ کریم نے اپنے رسول اللہ ﷺ پر جو حدود نازل فرمائی ہیں ان میں سے اوامر کے بجا لانے کا حکم دیا گیا ہے اور نواہی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان پر عمل کرنے سے پہلے ان کا علم حاصل کرنے اور اس کے طریقوں سے معرفت حاصل کرنے کے انسان محتاج ہیں۔ جب پڑھنے والے کے سامنے کوئی نص آتی ہے جس میں کسی کام کا حکم دیا گیا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی باتوں کے کرنے کا حکم اس میں شامل ہے اور کون سی باتیں خارج ہیں تو وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے کہ آیا وہ ان تمام احکام کو یا بعض کا بجا لاتا ہے یا انہیں ترک کر دیتا ہے۔ اگر وہ احکامات کا پابند ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور وہ اللہ سے ثابت قدمی اور نیکی کے حصول میں اضافے کی دعا کرتا ہے اور اگر وہ کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اس سے باز پرس ہوگی اور اس پر الزام عائد ہوگا۔ پس وہ اللہ کریم سے نیکی کرنے میں مدد کا طلب گار ہوتا ہے اور اپنے نفس کو اس مقصد کے حصول کیلئے جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے۔

اسی طرح برائی کا معاملہ بھی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ برائی سے کیا مراد ہے اور اس میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں پھر وہ اپنے گریبان میں جھانکتا ہے کہ آیا اس نے یہ برائیاں چھوڑ دی ہیں، اگر ایسا ہے تو وہ اس کی توفیق نصیب ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے کہ جس طرح اس نے نیکیاں کرنے کی اسے توفیق عطا کی ہے اسی طرح برائیاں ترک کرنے پر بھی اسے ثابت قدم رکھ اور اسے اپنے احکامات کی بجا آوری کرتے ہوئے لوگوں کو برائی سے روکنے کی دعوت دینے والا بنا دے تاکہ برائیوں سے پرہیز اس کیلئے عبادت بن جائے جیسے نیکیوں کا سرانجام دینا عبادت ہوتا ہے اور اگر وہ برائیوں کو نہیں چھوڑتا تو اسے چاہئے کہ وہ توبہ کی طرف

تیزی کے ساتھ لوٹ آئے ایسی توبہ جو خالص اور پکی ہو۔ وہ ان کاموں سے توبہ کرے جن سے اسے نفسانی اور دنیوی خواہشات باز نہیں آنے دیتیں اور جن کی طرف برائی کا حکم دینے والا نفس اسے بلاتا رہتا ہے۔ جو شخص ان مطالب پر اور دیگر ہدایات پر اسی طریقے سے عمل پیرا ہوگا تو وہ کتاب اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر ثابت قدم رہے گا۔

## کُلیّہ نمبر ۳۰

اسماء الحسنٰی پر ایمان کے تین ارکان ہیں۔

پہلا رکن: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماءِ مبارکہ پر ایمان لانا۔

دوسرا رکن: ان کے معانی ہیں جو اللہ پاک کے ناموں پر دلالت کرتے ہیں۔

تیسرا رکن: وہ اثرات ونتائج ہیں جو اسمائے مبارکہ کی مناسبت سے ظہور میں آتے ہیں۔

یہ بڑا عظیم قاعدہ ہے جو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی سے متعلق ہے۔

قرآن حکیم میں اسماء حسنٰی کی تعداد اسی (۸۰) سے متجاوز ہے۔ یہ مبارک نام اپنے مقامات کی مناسبت سے بہت سی آیات میں بار بار آتے ہیں جیسا کہ اس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ قاعدہ تجھے اسماء حسنٰی کے ہر اس نام کے سلسلے میں فائدہ مند ہوگا جو کائنات کی تخلیق وتدبیر اور ثواب وعذاب کے متعلق ہو۔

تیرے لئے یہ ضروری ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایمان رکھے کہ وہ علیم ہے، اس کا علم عظیم ہے، وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، وہ قدیر ہے اور اس کی قدرت اور قوت بہت بڑی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہ رحیم ہے اور بڑی رحمت کا مالک ہے اور اس کی رحمت ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے ان تینوں ارکان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا ہر اسمِ مبارک اس کی صفت پر دلالت کرتا ہے اور جو باتیں اس نام سے تعلق رکھتی ہیں اُن کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جو شخص ان تینوں میں کسی ایک کو ترک کرتا ہے تو اس کی اللہ تعالیٰ کی معرفت مکمل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات پر اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جو کہ اصل توحید ہے ہم اسی مثال پر اکتفا کرتے ہیں اس سے تجھے یہ پتہ چل سکے گا کہ سارے اسماء حسنٰی کی یہی کیفیت ہے۔

## کلیہ نمبر ۳۱

قرآن حکیم میں ربوبیت کی دو اقسام ہیں ۱۔عمومی ۲۔خصوصی

قرآن میں ربِّ کائنات کی اپنے بندوں کیلئے ربوبیت، اس سے متعلقہ عوامل اور لوازم کا جس کثرت سے ذکر ہوا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

### (۱)۔عمومی ربوبیت:

اس میں تمام مخلوق داخل ہے خواہ وہ نیک ہوں یا برے ہوں خواہ وہ مکلّف ہوں یا غیر مکلّف ہوں حتیٰ کہ جمادات بھی اس میں شامل ہیں۔اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ واحد ذات ہے جو مخلوقات کی تخلیق، رزق رسانی، تدبیرِ اموراور دنیا میں اُن کی بقاو قیام کیلئے ضروری سازوسامان کی بہم رسانی کی اکیلی ذمہ دار ہے۔مخلوق خدا اپنے منافع کے حصول کیلئے، اپنے مقاصد کی برآوری کیلئے اور مقصدِ وجود کی تکمیل کیلئے اللہ تعالےٰ کی محتاج ہے۔پرورش کے اس نظام سے مخلوق میں سے کوئی ایک بھی خارج نہیں ہے۔

### (۲)۔خصوصی ربوبیت:

ربوبیت کی یہ قسم صلحاءاور اولیاء کیلئے مخصوص ہے۔اللہ تعالےٰ اُن کی غیبی ذرائع سے تربیت فرماتے ہیں، اُن کیلئے علوم و معارف کا بارانِ رحمت نازل ہوتا ہے اور انہیں ایمان کی طرف راہنمائی دی جاتی ہے،انہیں تکمیلِ ایمان کی توفیق دی جاتی ہے،اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ کر کے اُن کے کردار کی تکمیل کی جاتی ہے اور رذائل سے انہیں بچایا جاتا ہے۔ان کیلئے نیکی کے راستے آسان کئے جاتے ہیں اور برائی کے تکلیف دہ راستوں سے انہیں پرہیز کرایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں ہر بھلائی کی توفیق دی جاتی ہے اور ہر برائی سے اُن کی حفاظت کی جاتی ہے ۔انہیں جلد یا بدیر حاصل ہونے والی تمام مرغوبات تک رسائی دی جاتی ہے اور جلد یا بدیر حاصل ہونے والی تمام مکروہات سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔

مطلق ربوبیت سے پہلی قسم مراد لی جاتی ہے جیسا کی ارشاداتِ الٰہیہ ہیں:

(۱)۔ ﴿ رَبُّ الْعَالَمِيْن ﴾ (سارے جہانوں کا پروردگار)

(۲)۔ ﴿رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (ہر چیز کا پالنے والا)

اور اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں جہاں ربوبیت کے ساتھ محبت اور رضا کی قید لگائی جاتی ہے یا انبیاء اور پیروان انبیاء کا معاملہ آتا ہے وہاں دوسری قسم کی ربوبیت مراد ہوتی ہے نیز وہاں وہ پہلے معنی بھی مراد ہوتے ہیں اور بہت کچھ مزید بھی۔ اس لئے قرآن حکیم میں تم انبیاء اور ان کے متبعین کی دعاؤں میں رب کا نام کثرت سے پاؤ گے، غالباً اس طرح ربوبیتِ خاص سے اپیل کی جاتی ہے۔ بندہ کیلئے ان معانی پر غور کرنا عظیم فائدوں کا حامل ہے۔ ایسے عظیم الشان معانی کی حامل مثال ملاحظہ فرمائیں:

اللہ کریم نے کئی آیات میں خبر دی ہے کہ ساری مخلوق اللہ کے بندے اور اس کے غلام ہیں:

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (مریم:۹۳)

آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو اللہ رحیم و رحمان کے پاس بندہ بن کر نہ آئے

ساری مخلوق اللہ کی غلام ہے۔ بادشاہی اور حکم کے سلسلے میں کسی کا اختیار نہیں نہ تو اپنی جانوں میں اور نہ ہی دوسروں کے معاملے میں۔ قرآن کی بعض آیات میں اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس کے بندے بھی اس کی مخلوق کا ایک حصہ ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

(۱) ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان:۶۳)

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔

(۲) پھر ان کی جلیل القدر صفات کا تذکرہ ہے:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (الزمر:۳۶)

کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے؟۔

(۳) ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ (بنی اسرائیل:۱)

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔

(۴) ﴿اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ (البقرہ:۲۳)

جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا اس میں اگر تمہیں شک ہے۔

اس قسم سے مراد وہ بندے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کے پیش نظر بندگی

کے حقوق ادا کیئے اور مختلف طبقات میں منقسم ہونے کے باوجود اللہ کیلئے دین میں اخلاص برتا۔

بندگی کی پہلی قسم میں نیک اور بدسب شامل ہیں دوسری قسم میں صرف صلحاء وابرار شامل ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ربوبیت ربِ کائنات کی صفت اور اس کا فعل ہے جبکہ بندگی اس کے بندوں کی صفت اور اُن کا فعل ہے۔

## کلیہ نمبر ۳۲

جب اللہ تعالیٰ کسی کام کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اس کے متضاد فعل کو منع بھی فرما دیتے ہیں اور جب کسی بات سے منع کرتے ہیں تو اس کے متضاد امر کے کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ جب اپنی ثناء کرتے ہیں یا اپنے اولیاء اور صلحاء کی تعریف کرتے ہیں تو ان سے ساری کمزوریوں کی نفی کرتے ہیں۔ایسا درجہءِ کمال کے ثبوت کیلئے کیا جاتا ہے۔

بات یہ ہے کہ کسی حکم کو بجا طور پر اس وقت تک انجام نہیں دیا جاسکتا جب تک اس کے برعکس فعل کو چھوڑ نہیں دیا جاتا۔پس جہاں اللہ تعالےٰ نے توحید، نماز، زکواۃ، حج، والدین سے اچھا سلوک، صلہ رحمی، عدل، احسان کا حکم دیا ہے، وہیں ہمیں شرک کرنے، نماز چھوڑنے، زکواۃ، روزہ اور حج کو ترک کرنے، ماں باپ کی نافرمانی، قطع رحمی، ظلم اور ہر قسم کی برائی سے منع بھی کر دیا ہے۔ جہاں شرک،، ترک نماز اور مذکورہ بالا تمام امور کے چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے وہیں توحید، نماز اور دیگر تمام احکامات بجالانے کا حکم بھی ہے۔

جہاں اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ نے انسان کو صبر وشکر کا حکم دیا ہے اور بندے کا اللہ کی طرف عاجزی، محبت، خوف اور طمع کے ساتھ رجوع کرنے اور بے صبری، غصہ، نعمتوں کی ناشکری، اللہ کی طرف عدم توجہی، جزع وفزع اور غیر اللہ کے ساتھ خوف اور امید کا تعلق رکھنے سے نہی کا حکم بھی موجود ہے۔اسی طرح جہاں بے صبری، نعمتوں کی ناشکری اور دل کی غفلت سے منع کیا گیا ہے وہیں صبر اور دیگر فضائل کا حکم بھی دیا ہے۔ یہ تو ایک مثال بیان کی گئی ہے ورنہ سارے احکامات اور ممنوعات اس طرح ہیں۔ مدح وثناء کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ممدوح کیلئے کمالات ثابت نہ کئے جائیں۔

پس جب اللہ تعالیٰ اپنی حمد وثناء کرتا ہے تو جہاں نارسائیوں اور کمزوریوں سے پاک ہونے کا ذکر کرتا ہے مثلاً نیند، اونگھ، تھکاوٹ، موت وغیرہ وہیں وہ اس بات کا بھی تذکرہ کرتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی خواہ ان چیزوں کا تعلق اصل اشیاء سے ہو یا ان کی صفات سے ہو۔

اسی طرح ظلم، بے مقصدیت، کسی چیز کی بے فائدہ تخلیق، اس کی بخشش وجزاء کا بلاحکمت اور کسی اصول کے بغیر ہونے کا معاملہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حمد وثناء اس کے حیّ وقیّوم، قادر، وسیع العلم، عادل اور حکیم ہونے کی صفاتِ کمال کی ضامن ہے کیونکہ عدمِ محض میں تو کوئی کمال نہیں پایا جاتا البتہ کمال اسی وقت پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے جب رذائل کی نفی کردی جائے۔

اسی طرح جب اللہ کی کتاب سے شک وشبہ، اختلاف اور حقیقت کے خلاف باتوں کی نفی کی جاتی ہے تو یہ سارے معنوں میں اس کے کمال پر یقینی دلیل ہوتی ہے۔ یہ کمال یقیناً سارے احکامات میں مثلاً خالص سچائی، رشد وہدایت اور سیدھے راستے کی راہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔

اسی طرح جب اللہ کے رسول ﷺ کی ذات سے جھوٹ، بہتان طرازی، خواہش نفس کی پیروی، دھوکہ دہی، گمراہی، دیوانگی، جادوگری، شعر وشاعری وغیرہ جیسے رذائل کی نفی کی جاتی ہے تو یہ اس کے کمال درجے کی سچائی کا ثبوت ہے اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا مگر جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے اور یہ بھی کہ آپ ﷺ میں کمالِ عقل اور کمالِ نبوت و رسالت کو عیب لگانے والے عوامل کا پایا جانا محال ہے۔ جب تو اس قاعدہ کلیہ کو سمجھ لے گا تو ایسے اور دیگر معاملات کے بارے میں تیرا دامن خیرِ کثیر کے خزانوں سے بھر جائیگا۔

## کُلیّہ نمبر ۳۳

قرآن حکیم میں دلوں کے جن امراض کا ذکر ہے اُن کی دو قسمیں ہیں:

(۱)۔ شکوک وشبہات کا مرض۔

(۲)۔ نفسانی خواہشات اور فسق وفجور کا مرض۔

ان دونوں امراض کے درمیان فرق کرنے کا طریقہ مطالعۂ قرآن کے دوران سیاق سے

معلوم ہو جاتا ہے۔اگر یہ سیاق منافقوں اور دینی امور کی مخالفت کرنے والوں کے بارے میں ہو تو یہ شکوک وشبہات کا مرض ہوگا اور اگر یہ سیاق گناہوں اور اُن کی طرف میلان کے سلسلے میں واقع ہو رہا ہے تو یہ شہوات کا مرض ہوگا۔

اس مرض کا ان دو قسموں پر منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بے شک دل کا مرض اس کی صحت کے مخالف ہوتا ہے۔دل کی کاملِ صحت کا دارومدار دو باتوں پر ہے؛ پہلی بات کمال درجے کا علم، یقین اور معرفت ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جس سے اللہ کریم محبت کرے اور پسند فرمائے اس کے ساتھ عقیدت اور محبت کی جائے۔

قلبِ صحیح اسے کہتے ہیں جو حق کو پہچانے اور اس کی پیروی کرے اور باطل کو پہچانے اور اس سے پرہیز کرے۔جس کو وہ علم تصور کرتا ہے وہ شکوک ہیں اور وہ انہیں شبہات سمجھتا ہے حالانکہ وہ اصولِ شریعت کی رو سے اللہ کے دیئے ہوئے علوم کے معارض ہیں۔اس کا علم جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے، اس کے دل کی بیماری اس قوت اور کمزوری کے حسب حال ہوگی۔اگر اس کی عقیدت اور محبت اللہ کریم کی نافرمانیوں کی طرف مائل ہوگی تو وہ اس ارادت سے انحراف کی بیماری ہوگی۔یہ ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔بندے پر شہوات غلبہ نہیں پا سکتیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے انصاف اور فیصلوں کے بارے میں اس کے علم میں فساد رونما نہیں ہوتا اور اس کی حکمت، شریعت اور جزاء کے علم میں خرابی پیدا نہیں ہوتی۔شہوات اس وقت تک غالب نہیں آسکتیں جب تک کہ بندہ کے نفس میں خرابی پیدا نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کے انعامات اور آخرت کی نعمتوں کو پالینے کی خواہش پر دنیا اور اقتدار پرستی کا غلبہ نہیں ہو جاتا۔کبھی ایک پہلو نمایاں ہوتا ہے اور کبھی دوسرا۔

(۱) پہلی قسم: سورۃ البقرہ :۱۰ میں منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ( اُن کے دلوں میں مرض ہے ) سے واضح ہے۔یہ مرض اندھی تقلید، رسالت محمدی کے بارے میں شکوک وشبہات ہیں: ﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً﴾ اللہ نے اُن کے مرض کو بڑھا دیا۔

اس مرض کے کئی اسباب ہیں اور اس کا جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ عذابِ الٰہی کی شکل میں ہوتا

ہے جو انہی منافقین کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور وہ اس سلسلے میں معذور نہیں ہوتے ہیں۔

سورۃ براءۃ:۱۲۵ میں اس کی مثال یہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾

اور لیکن جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اُن کی پلیدی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

اسی طرح سورۃ حج:۵۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾

وہ اس لئے ایسا ہونے دیتا ہے تاکہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنا دے ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں کو روگ (نفاق) لگا ہوا ہے اور جن کے دل کھوٹے (سیاہ، سخت) ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شکوک وشبہات اور علم کی کمی کی وجہ سے ایک سقیم القلب (دل کے مریض) شخص کیلئے کوئی معمولی سا واقعہ اس کے دل میں شک پیدا کرے گا، اس پر بری طرح اثر انداز ہوگا اور فتنے میں ڈالے گا۔

(۲) دوسری قسم کے بارے میں سورۃ احزاب:۳۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾

دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں نہ پڑ جائے۔

یعنی اس کے دل میں شہوت کی مرض اور گناہوں سے عقیدت ہے ان امراض کی وجہ سے جو شخص بیمار ہے اسے فتنے میں ڈالنے والے اسباب میں سے کوئی چھوٹا سا سبب بھی لالچ میں ڈال کر یا برے کام پر آمادہ کر کے فتنے میں ڈال دے گا۔

پس ہر وہ شخص جو گناہوں کا ارادہ کرتا ہے اس کا دل مرض شہوت کا مریض ہے۔ اگر وہ سلیم القلب ہوتا تو پاکباز، صلحاء اور پارسا لوگوں کی اُن صفات سے متصف ہوتا جو سورۃ الحجرات:۷ میں بیان کی گئی ہیں:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾

مگر اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو پسند کر لیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے۔

جس شخص کا دل ان صفات سے متصف ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ ان کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور نعمت کر نہیں سکتی۔ اسے استقامت کی دعا کرنی چاہیئے اور اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت کے اسباب میں اضافہ کیلئے سعی و جہد کرنی چاہیئے۔

## کلیہ نمبر ۳۴

جس شخص نے وہ کام چھوڑ دیا جس میں نفع ہونے کا امکان تھا اسے ضرر رساں مشاغل میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور وہ نفع بخش کاموں سے محروم کر دیا جاتا ہے یہ بہت سی آیات میں وارد ہوا ہے:

مشرکین نے رحمٰن کی عبادت سے پہلو تہی کی تو وہ بتوں کی عبادت میں مبتلا ہو گئے، جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری سے یہ گمان کرتے ہوئے تکبر کیا کہ وہ بشر ہیں تو وہ ہر عقل اور دین کو خراب کرنے والی چیز کی اطاعت میں مبتلا کر دیئے گئے جب پہلی دفعہ ان پر ایمان پیش کیا گیا اور انہوں نے پہلی دفعہ دین کی حقانیت کو پہچان لیا پھر اسے چھوڑ دیا تو اُن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے الٹا دیا اور ان پر مہر لگا دی پس وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ جب ان پر صراطِ مستقیم واضح ہو گیا اور انہوں نے اپنی مرضی سے ٹیڑھا راستہ اختیار کر لیا اور اس گمراہی کے راستے پر مطمئن ہو گئے، رشد و ہدایت کے راستے کو ناپسند کیا اُن کو یہ سزا دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا، جس راستے پر وہ چل رہے تھے اس پر انہیں حیران و مضطرب کر دیا اور ان کی کوششیں خسارے کا باعث بنیں۔ جب انہوں نے آیاتِ الٰہی اور انبیاء کو حقیر جانا تو رسوا کن عذاب ان کا مقدر بن گیا اور جب حق کے آگے جھکنے سے تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا اور آخرت میں ذلیل و رسوا کیا۔ یہ ہے ہر باطل پرست کا انجام۔

جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرتے لوگوں کو روکا اور مساجد کی ویرانی کے درپے ہوئے تو وہ اس کے بعد اس قابل نہ رہے کہ وہ اُن عبادت گاہوں میں قدم رکھیں

اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں:

﴿ وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُم مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ ﴾(توبہ :۷۷)

ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہمیں نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے مگر جب اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے انہیں دولت مند کر دیا تو وہ بخل پر اتر آئے اور اپنے عہد سے ایسے پھرے کہ انہیں اس کی پروا تک نہ رہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اس بدعہدی کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ سے کی اور اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے رہے اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک اُن کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

اس مفہوم کی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ خبر دیتے ہیں کہ بندہ جب صراط مستقیم پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس راستے کی معرفت حاصل کر چکنے کے بعد اُسے ترک کر دیتا ہے اور اس پر چلنے کے بعد پیچھے پلٹ جاتا ہے تو اسے یہ سزا دی جاتی ہے کہ جو گمراہی کا راستہ اس نے اپنی ذات کیلئے پسند کیا ہے اس پر دور تک بھٹکنے کیلئے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے وہ ہدایت کا راستہ ترک کر دیتا ہے۔ اس کیلئے سیدھے راستے پر چلنا ناممکن ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ گمراہی کے راستے میں بھٹکتے ہوئے سرگرداں رہتا ہے۔ یہ اس کے افعال کا بدلہ ہے۔ سورۃ بقرہ میں جس طرح یہود کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ﴾

ان اہلِ کتاب نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں اور لگے ان چیزوں کی پیروی کرنے جو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا نام لے کر پیش کرتے تھے۔

جب انہوں نے بندوں کی ہدایت کیلئے منزل من اللہ کتابوں کی پیروی ترک کر دی، اپنے حالات کی اصلاح اور سعادت مندیوں کو چھوڑ دیا حالانکہ یہ طریقہ ہر اس آدمی کیلئے بہتر ہے جو عقلمند ہو اور اپنا خیر خواہ ہو۔ یہ راستہ زیادہ نفع بخش اور زیادہ صداقت پر مبنی ہے۔ تب اللہ کریم نے انہیں رزائل، خسائس، عقلوں کیلئے زیادہ مضرت رساں کاموں اور معاشرے کو خرابیوں کی گرفت میں لانے والے امور میں مبتلا کر دیا۔

جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والوں نے اللہ مہربان کے راستے میں اپنے مالوں کو خرچ کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شیطان کی پیروی میں اپنے مالوں کو فضول کاموں میں خرچ کرنے کی عادت میں مبتلا کر دیا۔

## کلیہ نمبر ۳۵

قرآن حکیم میں بہت سی ایسی آیات ہیں جو بندے کو اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ دو مصلحتوں میں سے بہتر مصلحت کو اپنائے اور دو نا مناسب باتوں میں سے ایک بات کو منتخب کرنا لازمی ہو تو آسان تر بات کا انتخاب کیا جائے اور جس بات میں مصلحت کی نسبت خرابی کا احتمال زیادہ ہو تو اسے ترک کر دیا جائے۔

یہ عظیم قاعدہ کلیہ ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں متنبہ فرمایا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اعمال میں مقابلتہً اعلیٰ تر فضیلت کے حامل عمل کو اختیار کرنا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

(۱)۔ ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ﴾ (حدید:۱۰)

تم میں سے جو لوگ فتحِ مکہ کے بعد خرچ کریں گے اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتحِ مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا۔

(۲)۔ ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ




اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○﴾(توبه: ۱۹)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے کو اُس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا، اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔

(۳) ﴿ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُوْلِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾(النساء: ۹۵)

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔

دوسری قسم کی مثالیں یہ ہیں:

(۱) ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ ط وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَکُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (سورۃ بقرہ: ۲۱۷)

لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کی مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے سلسلے میں وضاحت فرماتے ہوئے حرمت والے مہینوں میں قتال کے حکم کے بارے میں بتایا ہے: اگرچہ یہ بھی برائی ہے مگر جن برائیوں کا تمہیں سامنا کرنا پڑا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بھی بڑی ہیں مثلاً اللہ کے راستے سے روکنا، کفر اختیار کرنا، اس کی ہدایت کے راستے کا انکار کرنا، بیت اللہ میں داخلے سے منع کرنا اور مکہ مکرمہ سے لوگوں کو ہجرت پر مجبور کرنا وغیرہ اور مومنوں کو سخت تکلیفیں دے کر انہیں شرک کی

طرف مراجعت پر مجبور کرنے پر کوشاں ہونا۔ یہ وہ فتنے ہیں جو حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے سے بھی بڑھ کر ہیں۔ سورۃ فتح کی اس آیت ۲۵ پر غور فرمایئے:

﴿وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ﴾

اگر مکہ میں ایسے مومن مرد و عورت نہ ہوتے جنھیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انہیں پامال کر دو گے۔

پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسجد حرام میں قتال کرنے سے منع فرمادیا تھا باوجود اس کے کہ حالات جنگ کرنے کا تقاضا کرتے تھے تاکہ اس پر مرتب ہونے والے فساد سے بچا جائے اور وہ یہ تھا کہ کمزور مومن مرد اور مومن عورتوں کو مشرکین نے طرح طرح کی ایذا رسانیوں اور جنگ و جدال کے ذریعے سے ہجرت سے روک کر مکہ میں قید کر رکھا تھا۔ یہ جنگ اسلامی لشکر کیلئے بدنامی کا باعث نہ بن جائے۔ اس سلسلے میں صلح حدیبیہ کے موقع پر اُن شرائط کی پابندی میں جو بظاہر مسلمانوں کیلئے نقصان دہ نظر آرہی تھیں جو کچھ پیش آیا اسی زمرے میں آیا ہے لیکن بعد میں واضح ہو گیا تھا کہ یہی شرائط ٹھیک ٹھیک مصلحت تھیں اور یہی فتح مبین کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

یہ معاملہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے: ہجرت سے پہلے اللہ نے یہ حکم دیا تھا کہ مسلمان جنگ کرنے سے باز رہیں کیونکہ اس وقت جنگ کا حکم زیادہ نقصان کا موجب تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صبر و سکون کے ساتھ فریضہء رسالت کی بجا آوری، اتمام حجت اور قرآن کے ذریعے جہادِ کبیر کا حکم دیا تھا۔ غالبًا اسی مفہوم کی حامل سورۃ اعلیٰ کی یہ آیت کریمہ ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى﴾ نصیحت کر اگر نصیحت کرنا فائدہ مند ہو۔

یعنی نصیحت کرنا اگر ضرر کثیر کا باعث ہو تو اسے ترک کر دینا چاہیے۔ یہی حتمی حکم ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی آیات موجود ہیں۔

تیسری بات: سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرۃ:۲۱۸)

آپ سے پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ فرما دیجئے: ان دونو میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کیلئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

عمومی توجیہ یہ ہوگی کہ جس چیز کا نقصان اور گناہ اس کے فائدے سے زیادہ ہوگا تو اللہ تعالےٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور حکمت کا تقاضا ہے کہ اس سے ممانعت کر دی جائے اور اسے حرام قرار دے دیا جائے۔

یہی اصلِ عظیم ہے جیسا کہ یہ شرعی طور پر ثابت ہوا ہے کیونکہ یہی لوگوں کے مابین فطرتاً معقول اور مستحسن ہے اور اسی پر دینی اور دنیوی معاملات میں عمل ہوتا ہے واللہ اعلم۔

## کلیہ نمبر ۳۶

قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ زیادتی کرنے والے سے قصاص لیا جائے اور سرکشی کرنے والے کا مقابلہ کیا جائے اور ظلم سے روکا جائے اور معافی اور احسان کرنے کو بھی جائز سمجھا جائے۔ یہ مضمون بہت سی آیات میں پایا جاتا ہے۔ جیسے سورۃ نحل کی یہ آیت ۱۲۶ ہے۔

(۱) ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ﴾ (النحل:۱۲۶)

اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے۔

(۲) سورۃ شوریٰ: ۴۰ میں ارشاد ہے:

﴿وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾

زیادتی کا بدلہ زیادتی ہے پس جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے اس کا اجر اللہ تعالےٰ کے ذمے ہے۔ بیشک وہ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

ان آیات میں تینوں مراتب بیان کر دیئے گئے ہیں؛ جب کہ مسجد حرام میں جنگ کرنا حرام

ہے تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ:۱۹۱ میں فرماتے ہیں:

(۱) ﴿ فَإِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذَالِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ ○﴾

پس اگر وہ تمہیں قتل کریں تو تم بھی اس کے بدلے میں انہیں قتل کرو۔

(۲) فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِيْنَ ○ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ﴾ (بقرہ:۱۹۳)

ماہِ حرام کا بدلہ ماہِ حرام ہی ہوگا اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ حرام کیا ہے اور حرمتوں کے احترام کرنے کا حکم دیا ہے جو شخص حرمت کو توڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے قصاص لینے کو اس حد تک مباح قرار دیا ہے جس حد تک اس نے زیادتی کی ہے اس سے زیادہ نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

(۳) ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (بقرہ:۱۹۴)

جو شخص تمہارے اوپر زیادتی کرے تو جتنی زیادتی اس نے کی ہے تم بھی اس کے ساتھ کرو اور اللہ سے ڈرو۔

(۴) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ﴾ (بقرہ:۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے۔

سورۃ مائدہ:۴۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

(۵) ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾

ہم نے ان پر لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔

سورۃ اسراء:۳۳ میں ہے:

(۶) ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ط فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾

جو مظلوم قتل کیا گیا اس کے ولی کو قصاص لینے کا حق ہے۔پس وہ بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے۔اس کی مدد کی جائے گی۔

سورۃ النساء:۱۴۸ میں ہے:

(۷) ﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾

اللہ تعالےٰ بری بات کو بلند آواز میں پسند نہیں فرماتے ماسوائے مظلوم کی بات کے۔

اس بارے میں بہت سی آیات ہیں۔واللہ اعلم۔

## کلیہ نمبر ۳۷

بندوں کے اعمال پر مرتب ہونے والے احکام کے بارے میں نیت اور ارادہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

یہ اصل عظیم ہے۔حضور نبیءِ کریم ﷺ نے ''اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ'' والی حدیث میں اس کی صراحت فرمادی ہے۔

اس اصول کے وضاحت میں بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔اس سے یہاں یہی مقصود ہے اور یہی عظیم تر مقصد ہے۔اعمال پر اجرِ عظیم کے حصول کے مرتب ہونے کا دارو مدار ارادہ اور رضائے الٰہی پر ہے جب کہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ النساء:۱۱۴ میں صدقہ،نیکی اور اصلاح بین الناس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

(۱) ﴿مَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْراً عَظِيْماً﴾

جو شخص یہ کام اللہ تعالےٰ کی رضا کے حصول کیلئے کریگا اللہ تعالےٰ عنقریب اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

(۲) سورۃ بقرہ:۲۶۵ میں ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَا لَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ﴾

جو لوگ اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے مال خرچ کرتے ہیں۔

(۳)۔اس کے بالمقابل فرمایا:﴿رِئَا النَّاسِ﴾ جو لوگوں کو دکھاوے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔

(۴)۔اللہ کریم نے اپنے نبی ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اور اُن کے متبعین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ (حشر:۸)

وہ اللہ کے فضل اور اسکی رضوان کے طلبگار ہیں۔

(۵) سورۃ بقرہ:۲۲۸ میں طلاق دینے کے بعد جو شخص رجوع کرنا چاہئے اس کے بارے میں فرمایا:

﴿وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحاً﴾

اور رجوع کرنے میں اُن کے خاوند زیادہ مستحق ہیں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔

(۶) سورۃ بقرہ میں فرمایا:

﴿لَا یُوَاخِذُکُمْ﴾ تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

(۷) سورہ النساء:۱۲ میں فرمایا:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَا اَوْ دَیْنٍ غَیْرَ مُضَارٍّ﴾

وصیت پوری کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد، کسی کو نقصان پہنچائے بغیر میراث تقسیم کی جائے۔

(۸) سورہ النساء:۴ میں فرمایا:

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْئًا مَّرِیْئًا﴾

اگر اس میں سے تمہیں کچھ وہ اپنی مرضی سے معاف کردیں تو اسے خوش گوار مزے کے ساتھ کھاؤ۔

(۹) سورہ النساء :۲۹ میں فرمایا:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے پر نہ کھاؤ۔ ہاں باہمی رضا مندی سے تجارت کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۰) سورہ بقرہ: ۲۲۰ میں فرمایا:

﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾

اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالےٰ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے کے فرق کو جانتا ہے۔

(۱۱) سورہ بقرہ: ۲۸۶ میں مومنین کی دعا نقل فرمائی:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْاَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ط رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ط وَاعْفُ عَنَّا ط وَاغْفِرْلَنَا ط وَارْحَمْنَا ط اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ.﴾

اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما، اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔

اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ فَعَلْتُ﴾ یعنی میں نے دعا قبول فرمائی۔

(۱۲) سورہ احزاب: ۵ میں فرمایا:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا اَخْطَاْتُمْ وَلَا كِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾

اگر غلطی سے تم یہ کام کر بیٹھے ہو تو اس کا کوئی گناہ نہیں مگر دلی ارادے سے یہ کام کرنے پر گرفت ہے۔

(۱۳) اللہ تعالےٰ نے قتل خطا کا ذکر فرمایا اور اس پر دیت اور کفارہ کے احکامات مرتب فرمائے پھر سورۃ النساء: ۹۳ میں فرمایا:

﴿مَنْ يَّقْتُلْ مُؤمِناً مُّتَعَمِّداًفَجَزَآئُهٗ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَاباً عَظِيماً.﴾

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالےٰ کا غضب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کیلئے بڑا عذاب تیار رکھا ہے۔

(۱۴) احرام کی حالت میں شکار کرنے کی سزا فرمائی:

﴿مَن قَتَلَهُ مُتَعَمِّداً فَجَزَا ئُهُ مِثلَ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ المائدہ:۹۵

جس نے دانستہ کسی جاندار کو جان سے مارا اس کا کفارہ اس جیسے جانور کی قربانی ہے۔

(۱۵) سورہ بقرہ:۲۳۵ میں فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعلَمُ مَا فِي اَنفُسِكُمْ ط فَاحْذَرُوْهُ﴾

اور جان لو کہ اللہ تعالےٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، اس سے ڈرو۔

ایسی ہی بہت سی آیات جسمانی اعمال اور زبانی اقوال کے درست یا نادرست ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اُن پر اجر یا گناہ کے بوجھ (سزا) کا مرتب ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کام دل کے کتنے ارادے یا نیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

## کُلّیہ نمبر ۳۸

بعض اوقات کئی دلشکن اور جانگسل حالات انسان کو پیش آ جاتے ہیں تو ایسی صورت میں بہت سی آیات میں تلافی مافات کا حکم دیا گیا ہے کبھی اس حکم کی حیثیت واجب کی ہوتی ہے اور کبھی مندوب کی۔

یہ بہت لطیف کلّیہ ہے جس کو خالق کائنات نے تجویز فرما کر بہت سی آیات میں اپنے بندوں کو اس طرف متوجہ فرمایا ہے۔ ان میں ایک تو مطلقہ عورت کا معاملہ ہے کیونکہ وہ عام طور پر اپنے خاوند کی جدائی کی وجہ سے غمگین اور شکستہ دل ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مالدار کو اس کی بساط کے مطابق اور تنگ دست کو اس کی وسعت کے مطابق بھلائی کے ساتھ رواج کے مطابق کچھ مال ومتاع دینے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ بیوہ ہو جائے تو اسکی تسکینِ خاطر کیلئے گھر میں ایک پورا سال گزارنے اور اس کے مناسبِ حال مال ومتاع دینے کی وصیت کا معاملہ ہے۔ اسی طرح جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی یا وہ حاملہ ہے اللہ تعالےٰ نے اسے نان ونفقہ دینا اور لباس مہیا کرنا ایام عدت میں خاوند پر فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے سورۃ النساء

:۸ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾

اور جب (متوفی کی جائداد) کی تقسیم کے وقت رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ اکٹھے ہو جائیں تو اس میں انہیں بھی کچھ دیں اور انہیں اچھی بات کہیں۔

بعض حالات میں مستحب امر بھی وجوب کا مقام حاصل کر لیتا ہے جیسے سورۃ انعام:۱۴۱ کی یہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَ آتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ اور کھیتی کے پک جانے پر اس کا حق ادا کرو۔

اسی طرح باغ والوں کے عذاب میں مبتلا ہونے کا قصہ ہے۔ جنہوں نے پھل صبح سویرے توڑنے کی قسم اٹھائی تھی اور کسی فقیر کیلئے کچھ بھی نہ چھوڑنے کا عزم ظاہر کیا تھا اور آپس میں یہ بات طے کی تھی کہ آج کے دن اُن کے ہاں کوئی مسکین نہ آنے پائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

(۱) اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا○وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ (بنی اسرائیل:۲۳)

تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے بڑے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو۔

(۲) ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ (بنی اسرائیل:۲۶)

اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے اور مسکین و مسافر کو ان کا حق دے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اصفیاء کو تکالیف و مصائب کے وقت اُن کے دلوں کی تسکین کی خاطر اُن کی دعاؤں کو قبول کر کے مصائب سے نجات دلائی ہے اور اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ

وہ تکالیف کے بعد فراخی کا انتظار کریں۔

یہ وہ اُصول ہے جس کا اللہ تعالےٰ نے لحاظ رکھا ہے اور اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پس بندے کیلئے مناسب یہ ہے کہ وُہ مختلف حالات میں مناسب رویہ اختیار کرے۔ واللہ اعلم

## کُلیہ نمبر ۳۹

داخلی اور خارجی سیاست کے احوال کے بارے میں قرآن حکیم کا جو طریقہ ہے وہ ساری مصلحتوں کے حصول اور ساری خرابیوں کے دور کرنے کا بہترین اور اقرب الی الصواب طریقہ ہے۔ اگر سورہ آل عمران کی اس آیت: ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ ﴾ اور اُن سے سارے معاملات میں مشورہ کیجئے اور سورہ شوریٰ میں مومنوں کے طریقے کی خبر دیتے ہوئے اس آیت: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ اور اُن کے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں کے سوا اس قسم کے اور احکامات نہ بھی ہوتے (تو یہی ہدایات کافی تھیں) کیونکہ مومنوں کیلئے یہ حکم یقینی اور غیر مبہم تھا۔

پہلی آیت میں لفظ امر پر ''ال'' داخل ہوا ہے جو عموم اور استغراق کا فائدہ دیتا ہے اس کے مطلب یہ ہے کہ مومنوں کے سارے حالات اور معاملات میں ان کے مفادات اور مصلحتوں کے حصول اور نقصانات اور مضرّات سے بچاؤ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے مسائل و مشکلات کا حل تلاش کرتے ہوئے فیصلہ کن اقدام تک رسائی کیلئے باہمی مشاورت اور تعاون کا کس طرح مظاہرہ کرتے ہیں جس میں بحث ومباحثہ کے دوران اپنے اپنے دلائل کی تائید وحمایت میں ایسے اختلافات سے پہلو بچائیں جو ان کے اتحاد و تنظیم کی قوتوں اور صلاحیتوں کو منتشر کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔

سارے دانا لوگ اِس بات پر متفق ہیں کہ دُنیا اور دُنیوی معاملات میں ایک ہی درست اور بہترین طریقہ ہے اور وہ ہے باہمی مشاورت کا طریقہ۔ مسلمانوں کیلئے اللہ جل شانہٗ نے ہدایت دی ہے کہ وُہ اپنی مصلحتوں کے حصول کیلئے اور منزل مُراد کو پہنچنے کیلئے اجتماعی غور وفکر (باہمی مشاورت) کے ساتھ ایکشن پلان کا تعین کریں اور اُسے رُوبعمل لائیں۔ جب ایک رائے کی

مصلحت کا تعین ہو جائے تو اس پر چل پڑیں۔ اسی طرح جب ایک راستے کی مضرّت کا تعین ہو جائے تو اُسے چھوڑ دیں۔ جب مصلحت اور مضرّت میں اشتباہ پیدا ہو جائے یعنی کسی معاملے میں یہ پتہ نہ چل رہا ہو کہ یہ فائدہ مند ہے یا نقصان دِہ تو اس پر غور وفکر کریں اور اسکے نشیب وفراز پر نگاہ دوڑائیں کہ انجام کے اعتبار سے کونسا رویّہ زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ پھر اچھی طرح دیکھ بھال کر ایسے اسباب وذرائع اور وسائل کو اس طریقے سے اپنائیں جو نقصان دہ نہ ہو اور پھر اس راستے پر اعتماد کے ساتھ گامزن ہو جائیں۔ جب مسلمان دیکھیں کہ اُن کا مفاد جدید علوم وفنون اور جدید سائنسی ایجادات میں مہارت حاصل کرنے پر موقوف ہے تو اُنھیں اپنی صلاحیتوں کے مطابق اُن کے حصول کیلئے کوششیں کرنی چاہیں۔ اُن پر مایوسی بھی طاری نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی غیروں پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ چیز اُن کو ہلاکت میں ڈالنے کا موجب بنے گی۔ جب وُہ اس بات کو جان لیں اور تحقیق وُہ جان چکے ہیں کہ ایک کلمہ پر اتفاق اور وحدتِ امت ہی سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے جس پر چل کر جو مفاد اور صلہ نصیب ہو گا وہ اصل قوت کا حصول ہے اس لئے اسے حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرنا چاہیے۔ مصلحت کے تقاضے کے مطابق دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹ جانا مفید ہو یا صلح فائدہ مند ہو حتی المقدور دفاع ضروری ہو تو ایسا کرنا چاہیے۔ آگے بڑھ کر اقدام فائدہ مند ہو تو وُہ کریں اور اگر مقابلہ میں ڈٹ جانے کا تقاضا ہو تو ڈٹ جائیں غرضیکہ کوئی داخلی معاملہ یا خارجی امور کے متعلقہ کوئی معاملہ ہو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو ہر صورت میں باہمی مشورہ ضروری ہے۔ اپنے مقصد کے حصول اور اس کے ارتقاء کیلئے نیز تضادات کو ختم کرنے اور کم کرنے کیلئے باہمی مشورہ کی بڑی اہمیت ہے۔

یہ نظامِ شورایت بہت بڑا عجیب نظام ہے جس کی طرف قرآنِ حکیم نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ یہ وُہ نظام ہے جو ہر زمانے ہر جگہ اور ہر قوم کی مصالح کا ضامن ہے۔ اسی لئے سورۃ انفال میں ارشادِ رب العالمین ہے:

۞ وَ اَعِدُّوْ لَهُمْ مَا سْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُونِهِمْ لَاتَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ۞

(انفال: ٦٠)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلے کیلئے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

یہ آیت کریمہ دشمنوں کیلئے ہر وقت تیار رہنے اور جنگی قوت مہیا رکھنے کے وجوب پر نصِ صریح ہے۔ جتنی ہمارے پاس عقلی، عملی، مادی قوتیں اور صلاحیتیں موجود ہوں جس کی کوئی حد و نہایت مقرر نہیں کی جا سکتی، ہر زمانے اور ہر دُشمن کے مقابلے کیلئے ہر زمانے کے اُن حالات کی مناسبت اور اقتضاء کے مطابق طریق کار متعین کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں سورۃ النسا کی آیت کریمہ اسے مطابقت رکھتی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ﴾ اے ایمان والو! اپنے دفاع کا خیال رکھو۔

اس جیسی اور کئی آیات میں اللہ جل شانہ نے دشمنانِ اسلام سے سخت محتاط رہنے کی ہدایات دی ہیں۔ اُن سے صلح کے زمانے میں بھی ہمیں محتاط رہنے کا حکم دیا ہے۔ جنگ کے زمانے میں اور زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔ ہمیں ہدایت دی ہیں کہ ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور چوکنے ہو کر اُن کی گھات میں رہیں تا کہ ہم اُن کی تمام جنگی اور علمی ترقیوں سے واقف رہ سکیں، ہم ضرورت پڑنے پر اُن کے خلاف بروقت بروقت اقدام کر سکیں اور اُن سے سبقت لے جائیں حتیٰ کی اُن کو یہ موقع ہی نہ دیں کہ وہ ہماری کمزوری اور جہالت سے فائدہ اٹھا سکیں اور نہ ہم اُن کو یہ موقع فراہم کریں کہ وُہ ہماری جنگی سٹریٹیجی اور اقتصادی ذرائع و وسائل سے باخبر ہو سکیں قطع نظر اس کے کہ ہم نے اُنھیں یہ تمام موقع فراہم کر دیئے ہیں اور ہم اُن کے محتاج بن کر رہ گئے ہیں۔

یہ سارے معاملات خُذُوْا حِذْرَكُمْ کے تحت آتے ہیں۔ یہ بات باعثِ تعجب ہے کہ قرآنِ حکیم نے ہمیں مثالی نظام کی خبر دی ہے۔

سورۃ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ ان لفظوں میں مومنین پر عتاب فرمایا:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

نہیں ہیں محمد ﷺ مگر رسول، آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟۔

اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے بندوں کو ہدایت دی ہے کہ وُہ حکمت کے ساتھ ہمیشہ اس حالت میں ہوں کہ وُہ سارے امُور میں حکمت اور استقامت کے راستے پر گامزن رہیں۔ جہاں اُنھیں کوئی بلا نہ سکے خواہ کتنی مایوسیوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ مقام اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ہم اپنے دینی اور دنیاوی، اقتصادی اور حربی امُور کے ہر شعبہ کیلئے متعدد ایسے قائدین تیار نہ کر لیں جو قیادت، مہارت، تجربہ اور سیاست میں برابر یا تقریباً ہم مرتبہ ہوں۔ اُن میں سے جب ایک قائد کی جگہ خالی ہو جائے تو اس کی جگہ پُر کرنے کیلئے دوسرا تیار ہو جائے اور یہ کہ ساری امت اپنے عزائم و مقاصد اور اپنے سارے معاملات میں اُمتِ واحدہ بن کر اُبھرے۔ ان سب کا ایک ہی مقصد ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اُمت کی وہ شان و شوکت ہو کہ اعدائے اسلام پر خوف طاری رہے اور کسی کو یہ جراءت نہ ہو کہ کسی اسلامی ملک میں مسلمانوں کے مادی حقوق اور مفادات غصب کر سکے اور اُن کی حاکمیت اور آزادی کے حقوق سلب کر سکے۔ ایسا ہونا چاہیئے کہ اُن کے سارے امور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کے بل بوتے پر سرانجام پاتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مضبوط ایمان کے حامل مومنین کو اپنے حقوق کی پوری پوری حفاظت کیلئے نوازا ہے اور مالک بنایا ہے۔ اللہ احکم الحاکمین نے مومنین کو اپنی زمین کی خلافت اس لئے عطا کی ہے۔ وُہ اس کی اصلاح کا فریضہ ادا کریں۔ وُہ رزق کے ذخیروں، دفینوں، اور خزانوں سے فیضیاب ہوں اور علوم و فنون، صنعت وحرفت اور ٹیکنالوجی کے ذریعے انسانی صلاحیتوں اور قوتوں کو نشو ونما دیں۔ اللہ کریم اُن مومنین سے سخت ناراض ہوتے ہیں جو کمزور ہوں اور ذلیل ہو کر غیروں کے محتاج ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اس دنیا میں عزّت اور تکریم اس کو ہی حاصل ہوتا ہے جو خود اپنی عزت و احترام کرتا ہے۔ اسے ذلت و فروتنی کی ہزار سالہ زندگی سے موت زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ ایسا ذلیل اور غلام انسان زندگی کا صرف یہی مفہوم سمجھتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو اپنے آقا کی غلامی میں فنا کر کے اپنی شخصیت کی نفی کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے کمزور اور قلیل التعداد عربوں کو خیرِ امت بنایا تھا ہر اعتبار سے غلبہ اور عزت والی زندگی کے پورے مفہوم کے ساتھ لوگوں کا قائد اور امام بنایا تھا، جب انہوں نے

اس قرآن کو صحیح طور پر سمجھ لیا تھا، اس پر ایمان لائے تھے اور اس کی ہدایت کی پیروی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ تغابن میں فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (تغابن: ۱۶) جتنا تمہاری استطاعت میں ہو اللہ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے سخت عذاب سے بچو۔ اِن تمام احکامات کو روبعمل لاؤ جن کے قیام سے تمہارے لئے بھلائی اور بہتری ہے، خواہ وہ امور اجتماعی ہوں یا انفرادی ہوں انھیں بروئے کار لانے میں پوری جدوجہد کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ساری قوتوں اور صلاحیتوں کو کام میں لایا جائے کیونکہ یہی ﴿ حَقَّ تُقَاتِه ﴾ (جس طرح ڈرنے کا حق ہے) کا تقاضا ہے۔ آدمی کو اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق سعی کرنا چاہیے۔

مندرجہ بالا آیت سورۃ آلِ عمران کی آیت ﴿ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ ﴾ کی ناسخ نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر وہ مصلحت جس کا حصول یا تکمیل اُن سابقہ اور آئندہ امور پر موقوف ہو کی تحصیل اپنی استطاعت کے مطابق انسان پر واجب ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ جو حکیم ہے اپنے بندوں سے اس کی بخشی ہوئی قوتوں اور اسباب کو اُن کی استطاعت کے مطابق ہی روبعمل لانے کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ وہ یہاں قیام پر قادر ہو سکیں۔ لیکن انسان کوتاہی اور سستی کرتے ہیں تو اُن پر عاجزی اور شکستہ دلی طاری ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس نے ان باتوں سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے اس بات کا امکان تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے قُرب سے محروم ہو جائیں یا حلال اشیاء سے بے نیازی برتیں اس لئے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ حق کے غلبہ کیلئے لوازمات اور وسائل کا مہیا کرنا بھی حق سے ہی تعلق رکھتا ہے، یہ ان مقاصد کی تنظیم ہے۔ سیاست کے بارے میں جامع آیات میں سے سورۃ النساء کی یہ آیت پیشِ نظر ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴾ (النساء: ۵۸)

مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں، اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں

کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اسی سلسلے کی بعد والی آیت بھی ہے۔ اِن آیات میں بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ بڑی، چھوٹی اور درمیانہ درجے کی دینی اور دنیوی ذمہ داریاں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اہل لوگوں کے سپرد کی جائیں تا کہ وُہ ذمہ داریاں نبھانے کیلئے اُن کے ماہرین پیدا کئے جا سکیں۔ ہر حکومتی عہدے کیلئے خصوصی ماہرین ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکومتی عہدوں کی بہترین کارکردگی کیلئے موزوں ترین طریقوں میں سے جس طریقہ پر چلنے کا حکم دیا ہے وہ یہی ہے کیونکہ امُورِ سلطنت صرف اسی صورت میں بہترین طریقے سے چلائے جا سکتے ہیں جب کہ ان امور کا انتظام و انصرام کرنے والے افسران، امراء، وزراء اور پالیسی ساز حکومتی اہلکار موزوں ترین اہلیت و صلاحیت کے مالک ہوں۔ پس اہم حکومتی عہدوں کی ذمہ داری قابل ترین خصوصی ماہرین کے سپرد کرنا واجب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ (قصص: ۲۶)

جسے آپ اُجرت پر رکھ رہے ہیں وہ اچھا، طاقت ور اور امانت دار ہے۔

یہ بات اس وقت تک اُمت کے نصیب نہیں ہو سکتی جب تک اللہ کے ارشادات و احکامات کے مطابق ہم میں سے ہر ایک شخص کو یہ شعور حاصل نہ ہو جائے کہ اُس کی ذمہ داریوں اور امانتوں کے سلسلے میں اس کی اولاد، اس کے اہلِ خانہ، اِس کے خدام، اس کے دوست، اس کے چوپائیوں، اور اس کی زمین اور اس کے کارکنوں کے بارے میں اس کے کیا کیا حقوق و فرائض ہیں۔ مذکورہ بالا تمام چیزیں مدبّرِ کائنات نے اس کے ماتحت کر دی ہیں اور اس کو ان کے بارے میں جوابدہ ٹھہرایا ہے۔ یہ جوابدہی مالکِ یومِ الدین کے سامنے مقدّر قرار دے دی گئی ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ (الشعراء: ۸۹)

اس دن مال اور بیٹے کوئی نفع نہیں پہنچا سکیں گے ماسوائے اس شخص کے جو سلامتی والا دل لے کر حاضر ہوا۔

پس ہر شخص اِن فرائض کی ادائیگی کیلئے کسی کوتاہی اور دوسروں پر تکیہ کیئے بغیر اپنی صلاحیتوں اور کوششوں کو بروئے کار لانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے تو صرف اسی صورت میں ہی امت صالح بن سکتی ہے یعنی اس کے افراد، حکمران، حکام، اور امراء کا صالح ہونا ضروری ہے نیز اس کے حکومتی عہدہ داران خواہ وُہ کسی بڑے عہدے پر فائز ہوں یا چھوٹے اہلکار ہوں اپنی ذمہ داریوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کسی کوتاہی اور مداہنت کو دخل انداز نہ ہونے دیں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو نتائج بھی معکوس ہوں گے۔ اس بارے میں سورۃ رعد میں اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشاد سب سے زیادہ پکی دلیل ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ﴾(رعد: ۱۱)

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

کیا ابھی ان لوگوں پر وقت نہیں آیا جو صرف حکومتی ذمہ داران کو سارے شکوہ و شکایات کا مستحق گردانتے ہیں کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی سنتوں اور حکمتوں کا ادراک کریں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ شکایات صرف حکومتی عہدیداران تک محدود نہیں بلکہ یہ مرض ساری امت تک پھیلی ہوئی ہے اور ساری اُمت ہی غفلت کا شکار ہے اور اس کا ہر فرد اپنے اس مرض سے غافل ہے جو بطور نگران اپنے ماتحتوں کے سلسلے میں اس پر عائد ہوتا ہے اور جو امانتیں اس کے سپرد کی گئی ہیں اُن میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے اور حکمران طبقہ بھی افرادِ امت میں سے ہے اور وُہ بھی امت کی ذلت آمیز صورتِ حال اور اس کے بارے میں اس تصور کے اُبھارنے میں برابر کا شریک ہے لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں سمجھتی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے جسکی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ عدل سارے معاملات کے قیام کا ذریعہ اور روح ہے۔ انصاف کے فقدان کے باعث سارے کاموں میں فساد رونما ہو جاتا اور معیارِ حق و باطل میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ عادلانہ فیصلے کرنے کیلئے لازمی امر ہے کہ سارے معاملات میں انصاف کی حقیقت تک رسائی حاصل کی جائے۔ اگر امت کو عدل کی حقیقت کا علم ہو جائے اور اور اس کی حدود کی معرفت حاصل ہو جائے تو امت کے سارے معاملات درست ہو جائیں۔ حکمران طبقہ مہارت

رکھنے والے انسان ہوں اور فرائض کی بجا آوری کی اہلیت رکھنے والے ہوں اور ان کی تدابیر اور مساعی عدل و انصاف کو برپا کرنے اور ظلم و فساد کا قلع قمع کرنے کیلئے ہو تو صرف اسی صورت میں امت کی اصلاح ممکن ہے اور یہ ترقی کی منازل طے کر سکتی ہے۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کی اطاعت کے احکامات کی تکمیل کر دی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ (النساء: ٥٩)

اے ایمان والو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو حکمران ہوں اُن کی بات مانو۔

کیا اس سے اعلیٰ، بہتر، درست اور حکیمانہ سیاست کوئی اور ہو گی؟ جس کے بہترین ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ آیات جو شرعی احکام سے متعلق ہیں نہایت عدل، انصاف اور احسان پر مبنی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے جرائم کی شرعی حدود مقرر فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والوں کی سزائیں مقرر فرمائی ہیں۔ یہ حدود فسادی اور مجرموں کی حوصلہ شکنی اور عبرت انگیزی، خوف اور ڈر کی فضا پیدا کر کے معاشرے کو اُن کے فساد اور جرائم سے پاکیزگی اور طہارت عطا کرتی ہیں اور مخلوقِ خدا کی جانوں، مالوں، اور عزتوں، کی حفاظت کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ وُہ آیات بھی ہیں جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حق کی بات کہنا لازمی قرار دیا گیا ہے خواہ مخاطب کوئی بھی ہو اور حالات جیسے بھی ہوں۔

اس طرح اِن آیات میں ظلم سے ممانعت بھی ہے جس سے انسانوں کو نفع بخش آزادی سے نوازا گیا ہے جس کے معنی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حق بات کہی جائے اور اُمت کی خیر خواہی کی دعوت دی جائے۔

اسی طرح حدود، شرعی سزاؤں، بری باتوں اور بُرے کاموں سے ممانعت میں جھوٹی اور بوگس آزادی کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جس کے بے وقوف اور احمق لوگ مشتاق نظر آتے ہیں جو اس قسم کی آزادی کے مفسدات کی طرف سے بہرے اور اندھے بن گئے ہیں۔ یہ لوگ ان گناہوں اور خساروں سے آلودہ آزادی کے ہولناک اثرات کو نہیں دیکھتے جن سے مغربی اقوام دو چار

ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح اور نفع بخش آزادی کا اعلیٰ معیار وُہ ہے جو قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ عطا کرتی ہے۔ مگر ظلم، جہالت اور معاشرہ کیلئے ضرر رساں باتوں کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے سے معاشرہ کے اخلاق کا دیوالیہ نکل جاتا ہے کیونکہ یہی باتیں بڑے شر و فساد کا موجب بنتی ہیں اور معاشرے کی حد سے زیادہ افراتفری اور اخلاق کے زوال کا باعث بنتی ہیں جو ہر قوم کی جڑ بنیاد ہوتی ہیں۔صحیح آزادی بہترین نتائج کی حامل ہوتی ہے اور بُری آزادی کا انجام بھی بُرا ہوتا ہے۔شارِع نے اول الذکر آزادی کا دروازہ کھولا ہے اور دوسری کا بند کر دیا ہے تاکہ اس طرح مطلوبہ مفادات حاصل ہو سکیں اور مضرات اور مفسدات سے نجات مل سکے۔ (واللہ اعلم)

## کُلّیہ نمبر ۴۰

اصول طب کے سلسلہ میں قرآن کی راہنمائی

طبی اصول تین ہیں:

(۱) نفع بخش چیزوں کا استعمال (۲) مضر چیزوں سے پرہیز (۳) بدن کا موذی اشیاء سے دفاع۔

یہ تینوں اصول صحت کی حفاظت کیلئے ضروری ہیں۔اللہ تعالیٰ نے صحت کی حفاظت کیلئے اور موذی اشیاء سے دفاع کیلئے سورۃ اعراف کی اس آیت :۳۱: میں وارننگ دی ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کا اس لئے علی الاطلاق حکم دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر اجسام درست نہیں رہ سکتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں ایسی ہوں جو انسان کیلئے ہر وقت اور ہر حال میں موزوں اور نفع بخش ہوں۔اس بارے میں حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ کھانے پینے کی مقدار میں زیادتی ہو یا ان اشیا میں ملاوٹ اور اوقات کی کیفیت میں ہو یعنی ہر اس چیز سے پرہیز کا حکم دیا ہے جو انسان کیلئے تکلیف کا باعث بنتی ہے جب صورتِ حال یہ ہے کہ کھانا پینا جو بدن کی قوت کیلئے لازمی ہے نقصان دہ ہونے کی صورت میں ممنوع ہے تو دوسری چیزوں کا کیا حال ہوگا۔

اللہ تعالےٰ نے مریض کو تیمم کی اجازت دی ہے جب کہ پانی کا استعمال اس کیلئے مضر ہو۔ اسی طرح تمام نقصان دہ چیزوں سے پرہیز کا حکم ہے۔احرام کی حالت میں جس شخص کے سر میں تکالیف ہوا سے سر نہ منڈانے اور ندیہ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ جب بدن کی تکلیف سے نجات اور ازالے کیلئے اجازت ہے تو اس سے زیادہ نقصان دہ اشیاء سے بچنے کیلئے اجازت کیوں نہ ہوگی۔اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔اس میں وہ سب غذائیں اور دوائیں شامل ہیں جو انسان کو تکلیف دیتی ہیں،ان اشیاء سے پرہیز، مدافعت اور احتیاط لازم ہے۔اسی حکم کے تحت کسی حادثاتی واقعہ کی صورت میں اس کا طبی علاج بھی داخل ہے۔

اسی طرح وہ سارے اعمال بھی اسی حکم میں داخل ہیں جن کے کرنے کا اللہ تعالےٰ نے قرآنِ حکیم میں حکم دیا ہے مثلاً جہاد،نماز،روزہ،حج،زکواۃ،مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور دیگر اچھے اعمال۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ ان اعمال سے مقصودِ اعظم تو اللہ کی رضا،اس کا قرب،اس سے اجر کا حصول اور اس کے بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہے لیکن ان سے جو مزید مفادات حاصل ہوتے ہیں ان کی فہرست کچھ اس طرح سے ہے: جسموں کیلئے صحت،ورزش،ریاضت،روحانی راحت وسکون،قلبی مسرّت وراحت اور مخصوص اسرار کا حصول،صحت کی حفاظت اور نشو ونما اور مضر اشیاء کا ازالہ۔مختصر یہ کہ جملہ شرعی احکام سے مقصود دلوں،روحوں،جسموں،مالوں،اخلاق،دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے اور اللہ تعالےٰ ہی سب سے بہتر جانتے ہیں۔

## کُلّیہ نمبر ۴۱

بندے اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے جس موجودہ حالت میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ اپنی کتاب میں اس سے نجات کیلئے تجویز کردہ لائحہ عمل میں احکامات کو بجالانے کی ترغیب دیتا ہے اور گناہوں کے انجام سے ڈراتا ہے تاکہ مفید نتائج مرتب ہوں اور نعمتوں کے احسانات یاد دلاکر ان سے محرومی کے احساس کی اہمیت واضح کرتا ہے۔

اس عظیم الشان قاعدے کی طرف قرآن نے ہمیں بہت سی آیات میں متوجہ کیا ہے۔یہ ان عظیم قواعد میں سے ایک ہے جو حکمتِ الٰہی پر دلالت کرتے ہیں اور جو اہلِ جہاں کو دینی اور دنیوی

بھلائیوں کے نقطۂ عروج پر لے جانے کا سبب بنتے ہیں کیونکہ اس پر عمل کرنے والا جب وقت کے تقاضوں کے مطابق اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے تو اپنی کوتاہ نظری کے باوجود اپنے ظاہر و باطن سے اپنی توجہ اس پر مبذول کر لیتا ہے تو اپنے حالات کے مطابق اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اگر وہ ایسے کام میں مشغول ہوا جو وقت کا تقاضا نہیں ہے اور اسے حصول مقصد بعید نظر آیا تو اس کا عزم وارادہ کمزور پڑ جاتا ہے، اسکی ہمت جواب دے دیتی ہے، اس کی نظر میں اس کام کی اہمیت نہیں رہتی اور اس کے ساتھ اس کی وابستگی، عزم اور استقلال کمزور پڑ جاتا ہے۔ پھر جب نئے پروگرام پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو اس کی ہمت کمزور پڑ چکی ہوتی ہے اور دل کی لگی کم ہو چکی ہوتی ہے۔ عام طور پر دوسرے کام کا دارو مدار پہلے کام کی کامیابی اور تکمیل پر ہوتا ہے تو اسی طرح دونو کاموں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ جاتا ہے۔

اس کے برخلاف جس نے بروقت اپنے کام میں جسمانی اور ذہنی صلاحتوں کو پوری طرح معروف عمل رکھا وہ جب دوسرے کام پر ہاتھ ڈالے گا تو پہلے کام میں کامیابی پر اسے جو احساسِ مسرت ہوگا اور توانائی حاصل ہوگی وہ اسے دوسرے کام کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔ پس وہ اسے شوق اور پختہ عزم وارادے سے شروع کریگا تو فلاح و کامرانی اس کے قدم چومے گی اور اسی طرح ہمیشہ اس کی قوتیں اور صلاحتیں مستعد اور توانا رہیں گی۔

اس بات کی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تصدیق کرتا ہے جو سورۃ النساء:۷۷ میں وارد ہوا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو، نماز قائم کرو اور زکواۃ دو؟ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ ان سے ایسے ڈر رہے ہیں جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔

ان کا پہلا حال اور خواہشات دیکھئے! حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ بند رکھیں جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نصیحت پر کان نہ دھرا تو وہ کمزور ہوئے اور جب دوسرے عمل کا موقع آیا تو مکمل کمزوری کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اس کی مثال غزوہ احد میں شاملین کیلئے سورۃ آل عمران ۱۴۳: میں ان الفاظ میں ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلُ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾

تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے جب کہ موت سامنے نہیں آئی تھی۔ لو اب وہ تمہارے سامنے آ گئی اور تم نے اسے دیکھ لیا۔

سورۃ النساء: ۶۶ ان کی اس صورت حال کا مکمل طور پر انکشاف کر دیا ہے۔

﴿ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴾

اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے کم ہی اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جاتی ہے اس پر عمل کرتے تو یہ ان کیلئے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔

کیونکہ اس میں پہلے عمل کی تکمیل کا حکم ہے اور اللہ کریم کی طرف سے تحسین کی گئی ہے اور ثابت قدم رکھنے کا وعدہ ہے پھر دوسرے عمل کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی مثال سورۃ الاحزاب: ۲۲ کی یہ آیت ہے۔

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا. ﴾

مومنوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا اُسے سچا کر دکھایا بعض اپنی منت یا عہد پورا کر چکے (جام شہادت نوش کر چکے) اور بعض موقع کے منتظر ہیں۔

سورۃ توبہ: ۷۵ میں فرمایا:

﴿ مِنْهُمْ مَنْ عَاهَدُوْا اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ○ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوْا وَتَوَلَّوا وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ ○ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقاً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾

ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا تو ہم ضرور ہی اُسے سچا کر دکھائیں گے اور نیک بن جائیں گے۔ جب اللہ کریم نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا تو لگے بخل کرنے اور پیٹھ پھیر لی اور وہ منہ پھیرنے والے تھے۔ نتیجتاً اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھنے والے اور ان سے فائدہ اٹھانے والے (ابناء الوقت) بنیں اور موجودہ وقت کے تقاضے کے مطابق عمل اور فرض کی ادائیگی کیلئے کھڑے ہو جائیں اور جب دوسرا موقع آئے تو اس موقع کے مطابق عمل پیرا ہوں اور اس پر سچے عزم و استقلال کے ساتھ اپنی پوری ہمت کو مجتمع کریں، اس طرح یہ عمل دوسرے کام کیلئے معین و مددگار ثابت ہوگا۔ قرآن حکیم میں اس قسم کی بیشمار آیات موجود ہیں۔ لیکن دوسرے امور کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے عمل کرنے والوں کو ان باتوں کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ مضبوط ارادے کے ساتھ ان اعمال کو سرانجام دینے پر آمادہ ہوں جو مصلحتوں اور بھلائیوں پر منتج ہوتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے نیک اعمال پر آمادہ کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے کئی ترغیبات ہیں اور برے اعمال سے بچنے کیلئے کئی سزاؤں اور برے نتائج کا ذکر کر کے ڈرایا گیا ہے۔

دوسرے عمل جس کا ابھی وقت نہیں آیا کی طرف دیکھنے اور موجودہ کام کے نتائج کی طرف نگاہ ڈالنے جبکہ عامل کی ہمت جواب دے چکی ہو اور اسے کم ہمتی اور کمزوری لاحق ہو چکی ہو کے درمیان بڑا فرق ہے ان نتائج کی روشنی میں نئے کام کی ابتدا کرنے سے امنگوں کو مہمیز ملتی ہے جس سے بھلائیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں، نئے سرے سے جوش و جذبہ پیدا ہوتا ہے، محنت و شفقت کرنے

کی صلاحیتیں تقویت حاصل کرتی ہیں اور کام کرنا سہل محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ﴾ (النساء:۱۰۴)

اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں ان کی قدر شناسی کی غرض سے معکوس صورتِ حال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یعنی اگر تمہیں یہ نعمتیں نہ ملتیں تو تو تمہارا کیا بنتا تاکہ ان نعمتوں کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کیا جائے قرآن حکیم میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں کی یاددہانی کرائی گئی ہے جو دین اور اسلام اور ان پر مرتب ہونے والے انعامات کی صورت میں مومنوں کو حاصل ہوئے ہیں۔ جیسے سورۃ آلِ عمران میں فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آلِ عمران:۱۶۴)

درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر اٹھایا ہے جو اس کی آیات پڑھ کر انہیں سناتا ہے، انکی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

(۲)۔﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تمہارے اوپر کیا ہے جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے، تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے اس نے

تمہیں بچالیا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں اسی بات کی طرف راہنمائی فرمائی ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے سے مرتبہ میں کمزور کی طرف دیکھو اور پر والے کی طرف نہ دیکھو''، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحقیر سے بچ جانا ممکن ہوسکتا ہے:

(۱) ﴿ فَاذْكُرُوْا آلَاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (اعراف:۶۹)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاسکو۔

(۲) ﴿ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوٰى وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى ﴾ (والضحیٰ:۶،۷،۸)

کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کردیا۔

## کُلّیہ نمبر ۴۲

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اپنے مخصوص حقوق اور اپنے حبیبِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی حقوق کے درمیان فرق وامتیاز قائم کردیا ہے اور کچھ حقوق مشترکہ ہیں، بنابریں حقوق کی تین اقسام ٹھہریں:

۱۔ ایک اللہ واحد لاشریک لہٗ کے حقوق ہیں جیسے عبادت جس میں تمام قسم کی عبادات شامل ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

۲۔ دوسرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ہیں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وتعاون اور عزت واحترام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وپیروی اور ان حقوق کی ادائیگی کیلئے پوری طرح کمربستہ رہنا چاہیے۔

۳۔ مشترکہ حقوق یہ ہیں: ایمان، اطاعت اور محبت۔ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مشترکہ حقوق ہیں۔

اللہ جلّ شانہٗ نے بہت سی آیات میں ان تینوں حقوق کا کثرت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔
حقوق اللہ: ان حقوق کی ہر وہ آیت حامل ہے جس میں اللہ کی عبادت اور اس کیلئے اخلاص پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے برعکس عمل کے نتائج سے ڈرایا گیا ہے۔ اس قسم کی بیشمار آیات ہیں۔ سورہ الفتح: ۹ میں یہ تینوں حقوق جمع کر دیے گئے ہیں:

۱۔ ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

(تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) یہ مشترکہ حقوق ہیں۔

۲۔ ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ (آپ ﷺ کی نصرت وتعاون اور عزت واحترام کریں) یہ خالص رسول اللہ ﷺ کے حقوق ہیں۔

۳۔ ﴿وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾

اللہ جلّ شانہٗ کی صبح وشام تسبیح کیا کرو) یہ اللہ واحد لاشریک لہٗ کے حقوق ہیں۔

۴۔ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (حدید: ۷)

(تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو)

۵۔ ﴿آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النساء: ۱۳۶) (تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ)

۶۔ ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ (توبہ: ۶۲)

اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں۔

۷۔ ﴿سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (توبہ: ۵۹)

اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں عطا کرے گا۔

آخری چار آیات میں مشترکہ حقوق کا تذکرہ ہے۔

۸۔ ﴿اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾ (توبہ: ۵۹)

(بیشک ہم اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں) یہ حق اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔
بندے کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ مشترکہ حقوق کی معرفت حاصل کرے مشترکہ حقوق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو خصوصی حقوق اللہ تعالےٰ کے ہیں بالکل اسی طرح کے حقوق رسول اللہ ﷺ کیلئے ثابت کیے جائیں بلکہ اللہ جلّ شانہ' پر ایمان، محبت اور اطاعت کے علاوہ غایت درجے کی

محبت اور خوف کے ساتھ تعظیم و بندگی اور عاجزی و فروتنی بھی لازمی ہیں۔

ان مشترکہ حقوق میں جو حقوق جناب رسول اللہ ﷺ کے ہیں وہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کیلئے آپ ﷺ سے محبت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہی آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے کیونکہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہی ہے فرمایا:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

جو رسول کی اطاعت کرتا ہے حقیقت میں وُہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

تو گویا رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے بلکہ افرادِ امت پر حقِ رسول بھی حقوق اللہ میں سے ہے۔ پس مومن اللہ تعالیٰ کی بندگی اور احکام الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے ہی جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور دیگر حقوق کی ادائیگی کیلئے کھڑا ہوتا ہے۔

یقیناً جو کچھ حقوق رسول کے بارے میں کہا گیا ہے وہ جناب رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ورنہ تو ادائیگیِ حقوق کے وہ سارے احکامات جو رسول اللہ ﷺ، والدین، اولاد، زوجین، رشتہ داروں، پڑوسیوں، عالموں، حکمرانوں، امراء، وزراء کے حقوق، بڑوں کے چھوٹوں پر اور چھوٹوں کے بڑوں پر حقوق کے بارے میں ہیں دراصل حقوق اللہ ہی ہیں۔ ان احکامات کی تعمیل کیلئے، حقدار کی حق رسانی کیلئے اور اس پر احسان کرنے کیلئے بندے کی آمادگی اور نیازمندی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی ہی ہے ما سوائے حقوقِ رسول کے کیونکہ سارے کے سارے احسانات آنحضور ﷺ نے اپنی امت پر کیے ہیں اور جتنی بھلائیاں اور سعادتیں امت کے حصے میں آئی ہیں وہ ساری آپ ﷺ ہی کے طفیل نصیب ہوئی ہیں۔

## قاعدہ نمبر ۴۳

جن کاموں کے انجامِ بد کا خطرہ ہو وہاں اللہ جلّ شانہٗ تاخیر کرنے اور جلدی نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور امورِ خیر میں موقع ضائع ہو جانے کے خطرے کے پیشِ نظر جلدی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور سستی نہ کرنے پر ابھارتے ہیں۔

اس قاعدہ کا اطلاق قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر ہوا ہے:

پہلی قسم کی آیات درج ذیل ہیں:

(۱) ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا﴾ (النساء: ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرلیا کرو۔

(۲) ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ﴾ (الحجرات: ۶) ایک قراءت میں (فَتَثَبَّتُوْا) ہے۔

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی خبروں کی اشاعت کی مذمت کی ہے جن سے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں کیونکہ ایسا کرنا شیطانی نقوشِ قدم کی پیروی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

(۱) ﴿اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۸۲)

یہ لوگ جہاں کوئی امن یا خوف کی خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اس کو جناب رسول اللہ ﷺ اور ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آ جائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں۔

(۲) ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ﴾ (یونس: ۳۹)

اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اس کو انہوں نے جھٹلا دیا۔

ایسے کاموں کے بارے میں باہمی مشورت اور احتیاط کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بندے کو جس کا علم نہیں ہے اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہئیے۔ اس سلسلے میں بہت سی آیات ہیں۔

دوسری قسم کے احکامات کے بارے میں درج ذیل آیات ہیں:

(۱) ﴿سَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾

(آل عمران: ۱۳۳)

دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے۔

(۲) ﴿فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَات﴾(البقرہ:۱۴۸) پس تم بھلائیوں کی طرف سبقت کرو۔

(۳) ﴿أُوْلَـئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ﴾(المومنون:۶۱)
وہی بھلائیوں کی طرف تیز دوڑنے والے اور سبقت کر کے انہیں پا لینے والے ہیں۔

(۴) ﴿اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ٥ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ ٥﴾(الواقعہ:۱۰،۱۱)
آگے بڑھنے والے تو پھر آگے بڑھنے والے ہیں، وہی تو مقرب لوگ ہیں۔

یعنی جو لوگ دنیا میں نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں آخرت میں بھی وہ بہشتوں اور عزت افزائیوں کے حصول میں سبقت لے جانے والے ہوں گے۔ اس مفہوم کی حامل بہت سی آیات موجود ہیں۔ یہاں جس بلند مقام کی طرف اللہ کریم نے اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں محتاط رہنا چاہئے کہ نیکیوں کے حصول کیلئے میسر مواقع ضائع نہ ہونے پائیں اور ناپسندیدہ امور اور نقصان دہ کاموں میں ملوث ہونے سے عزم بالجزم کے ساتھ پرہیز کیا جائے۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوْقِنُوْنَ﴾(المائدہ:۵۰)
حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟۔

## قاعدہ نمبر ۴۴

جن ناجائز کاموں کی طرف نفوس انسانی کا میلان ہوتا ہے یا اس میلان کے خطرے کا امکان ہوتا ہے تو اللہ کریم بھلائیوں کے ضائع ہونے اور نقصانات کے واقع ہونے سے انسان کو متنبہ فرما دیتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ایسا بہت سے مقامات پر واقع ہوا ہے۔ یہ طریق کار استقلال اور ثبات کے حصول کیلئے بہت زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے کیونکہ صرف امر اور نہی اکثر مخلوق کو ناجائز کاموں سے باز رکھنے کیلئے کافی نہیں ہوتے جب تک انہیں یقین نہ ہو جائے کہ جو پسندیدہ چیزیں وہ ترک کریں گے ان کے پاکیزہ اثرات و نتائج مکروہات کی نسبت انہیں کئی گنا زیادہ حاصل ہوں گے اس کے باوجود نفسِ انسانی مکروہات اور ان کے نتائج کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے۔

حالانکہ مکروہات کے نتائج بھی اسی طرح مرتب ہوتے ہیں۔ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ﴾ (الانعام:۲۸)

اور جان لو بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہے۔

یہاں مال اور اولاد کے فتنے کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے بہت سے انسانوں کو ثابت قدمی کے راستے سے بھٹکا دیا ہے، انہیں فتنے میں پڑ جانے کے نقصانات سے اور اس فتنے سے اپنے دامن کو محفوظ کر لینے کے فوائد سے آگاہ کیا گیا ہے۔

(۱) ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ سابقہ حوالہ۔ بیشک اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

(۲) ﴿هَا اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾ (النساء:۱۰۹)

ہاں، یہ تم ہو جو دنیا میں ان کی طرف سے جھگڑے، روزِ قیامت ان کی طرف سے کون جھگڑے گا یا ان کی طرف سے کون وکیل ہوگا۔

(۳) ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ (الشوریٰ:۲۰)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی بڑھائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طلبگار ہے ہم اسے وہ دے دیں گے مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

(۴) ﴿اَفَرَاَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِيْنَ ○ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ○﴾ (الشعراء: ۲۰۵ تا ۲۰۷)

تم نے کچھ غور کیا، اگر ہم ان کو برسوں تک عیش کرنے کی مہلت بھی دے دیں، پھر وہی چیز ان پر آجائے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے تو وہ سامانِ زیست جو انہیں ملا ہے ان کے کس کام آئے گا۔

اس عظیم المرتبت مفہوم کی حامل آیات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جب قاری پر یہ اصول اور قاعدہ واضح ہو جائے تو اس کیلئے اس اصل کے مطابق مسائل کا استنباط کرنا آسان ہو جائے گا۔

# کُلیہ نمبر ۴۵

اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب حکیم میں لوگوں کو نیکی اور اصلاح احوال پر آمادہ کیا ہے۔

یہ قاعدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ پورا قرآن اسی مقصد کیلئے نازل ہوا ہے۔ صلاح نام ہے نیکی، بھلائی اور بہتری کا جس کے معنی یہ ہیں کہ سارے امور راست روی اور اعتدال پر مبنی ہوں، جو اللہ کریم کے مقرر کردہ راستوں اور طریقوں سے ماخوذ ہوں، جن کی منزلِ مقصود قابلِ تعریف ہو اور جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہو۔ چنانچہ اللہ کریم نے اعمال صالحہ کرنے کا حکم دیا ہے اور نیک لوگوں کی تعریف کی ہے کیونکہ نیک اعمال سے دلوں اور ایمان کی اصلاح ہوتی ہے اور دین، دنیا اور آخرت درست ہوتے ہیں ان کے متضاد اعمال کا نام فساد ہے۔ بہت سی آیات میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو لوگوں کے فساد برپا کرنے کے بعد اصلاحِ احوال کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے درمیاں صلح وصفائی کراتے ہیں اور اس بات کی عمومی طور پر خبر دی ہے کہ "صلح ہی بہتر ہے:"۔

پس برے کاموں کی اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ برے کاموں اور تکلیف دہ امور خواہ عام ہوں یا خاص دونوں صورتوں میں اس کے جو نتائج اور اثرات برآمد ہونے والے ہوں ان کے ازالہ کی کوشش کرنا۔

اصلاح کی اہم اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔ مسلمانوں کے دینی اور دنیوی حالات کی بہتری کی کوشش کرنا جس طرح حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ (هود:۸۸)

جہاں تک ہو سکے میں اصلاح کی کوشش کرتا ہوں۔

پس اس کا ہر وہ شخص مصداق ہوگا جو دینی اور دنیوی امور کی بہتری کی کوشش کرنے والا ہے۔ اسے ریفارمر کہیں گے۔ اللہ کریم اسے ہدایت دیتے ہیں، اسے راستے دکھاتے ہیں اور اس کی مدد فرماتے ہیں اور اس کے برعکس کوشش کرنے والا مفسد یا فساد کرنے والا ہوگا اور اللہ کریم

فساد کرنے والوں کے احوال درست نہیں فرماتے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ دو جھگڑنے والوں کے درمیاں صلح کرانے کی کوشش کی جائے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے خون، مال اور میاں بیوی کے مابین حقوق کے جھگڑوں میں صلح کرانے کا حکم دیا ہے۔ عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرانا واجب ہے اور ہر وہ طریقہ اپنایا جائے جس فریقین کے درمیان نرمی پیدا ہو سکے۔ کیونکہ صلح کے اثرات میں خیر و برکت اور بھلائی ہے۔

یہ معاملہ یہاں تک ہے کہ اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب برسر پیکار کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو مسلمانوں کو بھی اللہ پر توکل کرتے ہوئے ان سے موافقت کرنی چاہیے یعنی صلح کر لینی چاہیے اور اس قاعدہ کے بارے میں بے شمار مثالیں ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حتے المقدور اصلاحِ احوال کی پوری پوری کوشش کی جائے یا خرابیوں اور تکلیف دہ امور کے ازالہ یا ان کو کم کرنے کی پوری پوری مساعی بروئے کار لائی جائیں۔ کلی اور جزی نیز کم وبیش ہر طرح کی کوشش کر کے دیکھ لی جائیں۔

## کلیہ نمبر ۴۶

اللہ تعالٰی نے اپنی کتابِ حکیم میں یا تو ان لوگوں کو متوجہ کیا ہے جو ابھی دائرہ ایمان میں داخل نہیں ہوئے، انہیں داخل ہونے کا حکم دیا ہے یا پہلے سے داخل شدگان کو مخاطب کیا ہے انہیں اپنے دین کی اصلاح کرنے کا حکم دیا ہے اور جو اس میں کمی رہ گئی ہے اس کی تکمیل کیلئے کہا ہے۔

یہ قاعدہ اپنے اصول اور فروع کے ساتھ کتابِ حکیم کے تمام احکامات میں پایا جاتا ہے۔

اس کی پہلی قسم کی مثال یہ آیت ہے، اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا ﴾(النساء:۴۷)

اے اہلِ کتاب! جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا﴾ اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔

یہ دوسری قسم اور تیسری قسم ہے کیونکہ اس میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ایمان کو اپنے

ظاہری اور باطنی اعمال کے ساتھ درست اور مکمل کریں۔ نیز خلوص کی تکمیل کا حکم دیا ہے اور ان اعمال سے منع کیا ہے جو ایمان کو خراب کرنے اور کمزور کرنے کے موجب بنتے ہیں۔ اسی طرح مومنین کو مکمل طور پر پوری شرائط کے ساتھ نماز پڑھنے، زکواۃ دینے اور روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اور ہر عمل کو خراب کرنے اور ناقص کرنے والی باتوں سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح اللہ کریم نے توکل، رجوع الی اللہ اور اس قسم کے امور سرانجام دینے کا حکم دیا ہے نیز ان صفات کو راسخ کرنے اور مفقود ہونے کی صورت میں ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی قاعدہ کے ذریعے سے ہم ان سوالات کا جواب سمجھ پاتے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے مومنین کو سیدھے راستے پر چلنے کی دعا سکھانے کے نتیجے میں ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں اور مالک حقیقی نے انہیں دین حق کی جو ہدایت دی ہے اس کی بھی سمجھ آتی ہے یہ ساری باتیں اس قاعدہ سے متعلق ہیں۔ اسے تحصیلِ حاصل (بے فائدہ کام) نہیں کہا جاسکتا۔ اسے جلیل القدر نفع بخش اصلِ اصول سمجھنا چاہئے جو تیرے لئے علم کے خزانوں کے دروازے کھول دے گا۔ عقلمند کیلئے یہ اصول نہایت آسان اور واضح ہے۔ واللہ اعلم

## کلیہ نمبر ۴۷

جب آیات کے سیاق میں خاص معاملات کا ذکر آرہا ہے اللہ کریم نے وہاں احکامات دیئے ہیں تو وہ احکام اسی معاملے کے ساتھ مختص نہیں ہوں گے بلکہ اس خاص معاملے کے علاوہ اس سے مشابہہ دوسرے امور بھی اس حکم میں شامل ہوں گے اور وہ حکم عام ہوگا۔

یہ قاعدہ قرآن حکیم کے اسرار اور عجائب میں سے ہے اس کے احکام اور عجیب انتظام پر بہت بڑی دلیل ہے اس قاعدہ کی بہت سی مثالیں ہیں۔

ان میں سے ایک مثال یہ ہے: جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ذکر کرکے ان کی مذمت کی ہے تو ان میں سے توبہ کرنے والوں کو مستثنےٰ کردیا ہے:

﴿ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾(النساء: ۱۴۶)

البتہ جو ان (منافقین) میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرزِ عمل کو درست کر لیں اور اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر لیں ایسے لوگ مومنین کے ساتھ ہیں۔

جب ان کیلئے اجر کا فیصلہ سنانے کا ارادہ کیا ہے تو اس طرح نہیں کہا کہ اللہ کریم انہیں جلد اجر عطا کرے گا بلکہ یوں کہا ہے ان میں سے جو مومن ہیں انہیں جلد اجر دیا جائیگا۔

﴿وَسَوْفَ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

اور اللہ مومنوں کو جلد ہی اجرِ عظیم سے نوازے گا۔

تاکہ انہیں جلدی توبہ کرنے اور ایمان کو خالص کرنے پر ابھارا جائے، تاکہ انہیں بھی اور ان کے علاوہ ہر مومن کو ان میں شامل کیا جائے اور تاکہ صرف انہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہو کر نہ رہ جائے۔ اور جب یہ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾(النساء: ۱۴۹)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں۔

اسی سلسلے کی آخری آیت میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾(النساء: ۱۵۰)

وہ سب پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کیلئے ہم نے وہ سزا مقرر کر رکھی ہے جو ان کی رسوائی کا باعث بنے گی۔

تو اَعْتَدْنَا لَهُمْ نہیں فرمایا بلکہ ﴿اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ اس مذکورہ حکمت کے پیش فرمایا ہے اسی طرح (قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا) یعنی خاص اس حالت سے ہی نجات نہیں دیگا بلکہ (مِنْ كُلِّ كَرْبٍ) یعنی ہر مصیبت اور دکھ سے نجات دیگا۔ جس کیلئے سیاق واقع ہوا ہے۔ واللہ اعلم

# کلیہ نمبر ۴۸

اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ان امور سے متعلق قرار دیتے ہیں جو وجود میں آ چکے ہوں۔

اس سے مراد یہ علم ہے جس پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے بات یہ ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ سارے چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور یہ کہ اس کا علم زمینوں، آسمانوں، ظاہر و باطن، چھوٹے، بڑے، ماضی و مستقبل، سب پر محیط ہے۔ انسانوں کے اعمال کے ارتکاب سے پہلے ہی اللہ کریم ان کے عملوں سے واقف ہیں۔ بہت سی آیات میں یہ خبر دے گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا فیصلہ کر چکا تھا اور ایسا مقدر کر دیا تھا تا کہ ایسا معلوم ہو جائے۔ قابل توجہ یہ امر ہے کہ یہاں علم سے مراد اُن اعمال کا علم ہے جن پر جزاء و سزا مرتب ہوتی ہے۔ لیکن بندوں کے اعمال سے تو اللہ کریم اس وقت بھی واقف ہیں جو حقیقی ارتکاب سے پہلے وہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن اس علم پر جزاء و سزا مرتب نہیں ہوتی ہے، جزا و سزا تو ان اعمال پر دی جائے گی جس کے وہ حقیقتاً مرتکب ہوں گے۔ ان آیات میں یہی اصول کارفرما ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ ﴾ (المائدہ: ۹۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تمہیں اس شکار کے ذریعے سخت آزمائش میں ڈالے گا جو بالکل تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہوگا یہ دیکھنے کیلئے کہ تم میں سے کون بے دیکھے اس سے ڈرتا ہے۔

(۲)۔ ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْھَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ ﴾ (البقرہ: ۱۴۳)

پہلے جس طرف تم رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کیلئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔

(۳) ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ

يَنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾(الحدید : ۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کوصاف صاف نشانیوں اور واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا ہے اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی ہے تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

(۴)۔﴿ وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾(العنکبوت : ۱۱)

اور اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ ایمان لانے والے کون ہیں اور منافق کون۔

(۵)۔﴿ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا﴾ (الکھف : ۱۲)

تا کہ ہم دیکھیں کہ دونو گروہوں میں سے کون اپنی مدتِ قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔

اور ان سے مشابہ بہت سی اور آیات ہیں جن میں یہی اصول کارفرما ہے۔ واللہ اعلم

## قاعدہ نمبر ۴۹

جب اللہ کریم اپنے مومن بندوں کو اس کام سے روک دیتے ہیں جو ان کے پروگرام میں ہوتا ہے تو ان کیلئے اس سے زیادہ نفع بخش، زیادہ آسان اور بہتر کام کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ایسا اللہ تعالیٰ کے اپنے فضل و کرم سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

(النسآء : ۳۲)

پس اللہ تعالےٰ نے غیر نفع بخش کاموں کی تمنا کرنے سے منع کر دیا اور ان کیلئے اپنے فضل و احسان کے دروازے کھول دیئے اور مومنوں کو اپنے حالات کے پیش نظر اپنی زبانی انہیں طلب کرنے کا حکم دیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کا کلام سنا اور دیدار کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے منع

فرمادیا اور اس کی جگہ خیرِ عظیم عطا فرما دی، ارشاد ہوا:

﴿یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ﴾(الاعراف: ۴۴)

اے موسیٰ! میں نے تجھے اپنے کلام اور رسالت کیلئے منتخب کرلیا ہے جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اسے حاصل کر لیجئے اور شکر گزاروں میں سے ہو جائیے۔

اسی سلسلے کی یہ آیات پڑھیے:

۱. ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا﴾ (البقرہ: ۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسی لاتے ہیں۔

۲. ﴿وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ﴾(النسآء: ۱۳۰)

اگر دونوا لگ ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا

اس مفہوم کی حامل بہت سی آیات ہیں۔

## قاعدہ نمبر ۵۰

انبیاء کی نشانیاں اور معجزات اللہ تعالیٰ خود وجود میں لاتے ہیں اور خود ہی ظاہر کرتے ہیں مگر انبیاء کو جھٹلانے والے مقابلے میں جس قسم کے شعبدے گھڑ کے پیش کرتے ہیں انہیں معجزات نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ ضد پر اصرار اور عاجزی کے مظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے اور معجزات کے درمیان واضح فرق ہوتا ہے جو آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے اور یہی اللہ کی بتائی ہوئی خبروں کی سچائی کے بیّن ثبوت ہیں، یہی وہ دلائل و براہین ہیں جن کی سمجھ لینے سے صدق ویقین کی دولت میسر آتی ہے۔ اس مفہوم کی حامل یہ حدیث بیان کی جاتی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھی مبعوث فرمایا ہے اسے وہ معجزات دیئے گئے ہیں جو کسی عام انسان کو نہیں دیئے گئے''۔ اور جو معجزات اور نشانیاں حضور نبی ءآخر الزمان ﷺ کو عطا کی گئی ہیں وہ اپنی کثرت، قوت اور وضاحت کے اعتبار سے حد شمار سے ماوراہیں۔ الحمد للہ علی

ذالک ۔اس کے بعد کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جھٹلانے والوں کے شعبدے گو بظاہر معجزات سے مشابہت رکھتے ہیں مگر ان حقیقی معجزات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ان سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبیء برحق ﷺ کی پیروی سے بچ کر دینِ باطل پر ثابت قدم رہ سکیں۔جب کہ انہیں ایمان کی دعوت دیتے ہوئے واضح اور محسوس نشانیاں دکھادی جاتی ہیں۔اس طرح ان کا گمان یہ تھا کہ وہ احمقوں اور بیوقوفوں کے ہجوم کے سامنے اپنے باطل تصوّرات کا یہ کہ کر جواز پیش کریں گے کہ اگر تو سچا ہے تو فلاں فلاں نشانی دکھاؤ۔اس طریقہ کو کوئی چھوٹے سے چھوٹا جج پسند نہیں کرتا۔اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا تو پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے کیونکہ حق کو پہچان کر انکار کرنے کے بعد وہ اپنے باطل دین پر پوری تسلّی کے ساتھ جم کر بیٹھ چکے تھے۔اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اپنے حال اور انجام سے ناواقف ہیں۔

حال یہ ہے کہ جس قسم کی نشانیوں کا یہ شعبدوں کے طلبگار لوگ مطالبہ کرتے ہیں ان سے ان کا ارادہ حق تک رسائی کا نہیں ہوتا۔جب ان کے پاس اصل نشانی آجاتی ہے اور وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر فوراً عذاب واقع ہو جاتا۔

انجام کے بارے میں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی تردد کے بغیر یہ مصمّم ارادہ کر رکھا ہے کہ جب مطلوبہ نشانی ان کے پاس آجائے گی تو وہ ایمان لائیں گے اور اس کی تصدیق کریں گے حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف بات ہے، یہ ان کے دلوں کی غمازی نہیں کرتی۔ان کی ہر مطلوبہ نشانی ظاہر کر دی جائے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔الّا ماشاء اللہ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس قسم کے جھٹلانے والوں کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے:

(۱) ﴿لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾(بنی اسرائیل:۹۰)

ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو ہمارے لئے زمین کو پھاڑ کر چشمہ نہیں نکال لائے گا۔

(۲) ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۤئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا﴾(الانعام:۱۱۱)

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کر دیتے اور ان سے مُردے کلام کرتے اور ہر چیز ان کے سامنے اکٹھی کر دیتے۔

ان کا یہ مطالبہ صریحاً ظاہر کر رہا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجتے وقت اپنی صداقت کے ثبوت کیلئے کافی نشانیوں اور مخالفین کو نیچا دکھانے کیلئے دلائل اور براہین کے ہتھیاروں سے مسلح نہیں کیا اس طرح اللہ قادرِ مطلق کی طرف عاجزی اور بے مقصدیت کی نسبت کر رہے ہیں۔ یہ بات حکمت کے منافی ہے اور اس مقصد سے مطابقت نہیں رکھتی جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے۔ یہ ان کے شرک اور فسق سے بھی بڑھ کر کفر اور شدید تر جرم تھا۔ اس جرم کے اہم اور بڑے مجرم ان کے سردار اور رئیس تھے جن پر رسول اللہ ﷺ کی صداقت کسی اخفاء کے بغیر منکشف تھی مگر وہ عوام کو حضور خیر الانام ﷺ کی بات سننے اور اس پر سوچ بچار کرنے سے روک رہے تھے۔ ان کے اس چیلنج اور نشانی کے مطالبے پر انہیں ذلت اور رسوائی کے ہتھیار سے بری طرح پچھاڑا ہے اور ان ساری کمزوریوں سے اپنی ذات کو منزّہ قرار دیا ہے جن کے بارے میں وہ گمان رکھتے تھے۔ سورۃ الاسراء میں مطلوبہ نشانی کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ ﴾ فرما دیجئے! میرا رب (ساری کمزوریوں سے) سے پاک ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلىٰ وُجُوهِهِم عُمْياً وَبُكْماً وَصُمّاً﴾

(بنی اسرائیل: ۹۷)

ہم قیامت کے دن انہیں مونہوں کے بل اندھے، بہرے اور گونگے بنا کر اکٹھا کریں گے۔

سورۃ عنکبوت میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُوْنَ ٥ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ إِذْنْ لَارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ٥ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ ط وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُوْنَ

○ وَقَالُوْا لَوْ لَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ آیَاتٌ مِنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْآیَاتُ عِنْدَاللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾(۲۹: ۴۷ تا ۵۰)

اور ہماری آیات کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے،اگر ایسا ہوتا تو کافر لوگ شک میں پڑھ سکتے تھے۔دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے،ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہ جو ظالم ہیں۔وہ لوگ کہتے ہیں کیوں نہ اتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے؟ کہو نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔

جب تو ان کے معیّن کردہ نشانیاں دکھانے کے مطالبوں پر غور کرے گا تو تجھے معلوم ہوگا کہ وہ درحقیقت دلائل کی جنس سے ہیں ہی نہیں،اگر بالفرض ان کا ظہور پذیر ہونا مان بھی لیا جائے تو وہ اضطراری نشانیوں کے مشابہ قرار دی جاسکتی ہیں جن پر ایمان لانا مفید ثابت نہیں ہوتا،انہیں شہادت کا مقام دیا جاسکتا ہے جب کہ ایمان بالغیب ہی نفع بخش ثابت ہوسکتا ہے۔اللہ تعالےٰ ہی بندوں کے دین اور حقوق کے سلسلے میں فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔چونکہ اس کے حکم کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا،اس لئے جو شخص یہ کہے کہ فلاں فلاں حکم موزوں اور مناسب ہے یا واجب التعمیل ہے تو اس نے اللہ تعالےٰ کے سامنے بڑی جراءت کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالےٰ کی حرمتوں اور احکامات کی حدود سے تجاوز کیا۔اسی طرح اس کے احکامات کے دلائل ہیں جن کے بارے میں اللہ احکم الحاکمین کے سوا کوئی اختیار نہیں رکھتا،جس کسی نے اپنے پاس سے کوئی بات گھڑی تو اس نے اللہ احکم الحاکمین کے ساتھ حاکیت میں شراکت کا دعویٰ کیا اور ان راستوں کو متنازع بنا دیا جنکی طرف اللہ کریم اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾(الانعام: ۹۳)

اور اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو یہ کہے کہ میں بھی ایسا ہی کلام نازل کرسکتا ہوں،جیسا اللہ تعالےٰ کرسکتا ہے۔

# قاعدہ نمبر ۵۱

قرآن حکیم میں صرف اللہ تعالےٰ سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور غیر اللہ سے دعا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور دعا کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے، اس دعا کے مفہوم میں اللہ تعالےٰ سے سوال اور عبادت دونو شامل ہیں ۔ یہ بڑا مفید قاعدہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں دعا اور دعوت کا فوری مفہوم سوال کرنے اور مانگنے کا آتا ہے اور وہ دعا میں جملہ عبادات کو شامل نہیں سمجھتے ۔

یہ غلطی انہیں بڑی برائی کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ قرآنی آیات دعا کے مفہوم میں سوال اور عبادت دونو کو شامل کرنے میں واضح ہیں اور اس کے عموم پر یہ آیتِ کریمہ دلالت کرتی ہے:

(۱)۔ ﴿قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر:۶۰)

تمہارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کرونگا یعنی تمہارا مطالبہ پورا کرونگا اور تمہارے عمل قبول کرونگا۔ پھر ارشاد ہوا ہے:

(۲)۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾

وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ورسوا ہو کر دوزخ میں داخل ہونگے ۔

دعا کو اس لئے عبادت کا نام دیا گیا ہے کہ کسی مسئلہ کیلئے دعا کرنے والا اپنی زبان قال سے اپنا سوال پیش کرتا ہے اور عبادت گذار شخص اپنے رب سے زبانِ حال سے قبولیت، ثواب اور اپنے گناہوں کی معافی کا طلبگار رہتا ہے۔

اگر تو کسی عبادت گذار مومن سے پوچھے نماز، روزہ، حج اور اللہ تعالےٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرنے سے تیرا کیا مقصد ہے، تو زبان سے جواب دینے سے پہلے مومن کا دل بول اُٹھے گا کہ اس سے میری مراد اپنے رب کی رضا ہے، اس کے ثواب کا حصول ہے اور اس کے عذاب سے نجات مطلوب ہے۔ اس لئے کہ نیت اعمال کی درستی اور قبولیت کیلئے لازمی شرط ہے اس کے نتائج دنیا اور آخرت میں پاکیزہ ثمرات ہیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (غافر:۱۴)

پس اللہ تعالیٰ کیلئے ہی دین کو خالص کر کے اسی کو پکارو۔

اس آیت میں عبادت کے لفظ کی جگہ دین کا لفظ رکھا گیا ہے اور قرآن حکیم میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ دعا دین کا مغز اور عبادت کی روح ہے۔ اور اس مقام پر آیت کے معنی یہ ہیں کہ حاجت طلبی کے موقع پر اخلاص اختیار کیا جائے اور نیکی اور اطاعت کے اعمال خالصۃً اسی کے لئے کئے جائیں۔

بعض اوقات دعا کو سوال وطلب میں محصور کر دیا جاتا ہے جیسا کہ: ﴿فَدَعَا رَبَّهُ اَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ﴾ پس انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما، لیکن یہ ارشاد: ﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖ اَوْ قَاعِداً اَوْ قَائِماً﴾ (یونس:۱۲) جب انسان کو کوئی مصیبت آ گھیرتی ہے تو ہمیں وہ پکارتا ہے لیٹے ہوئے، پہلو پر، بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے) دعائے طلب پر مشتمل ہے کیونکہ وہ (حضرت ایوبؑ) اپنی زبان کے ساتھ گڑگڑا رہے ہیں اور اپنی تکلیف سے نجات کا سوال کر رہے ہیں اور اس میں دعائے عبادت بھی شامل ہے کیونکہ اس حال میں ان کا دل غیر اللہ سے کٹ کر یہ جانتے ہوئے کہ اُن کی تکلیف اور پریشانی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ سے آس امید لگائے ہوتا ہے چنانچہ یہ دعائے عبادت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اُدْعُوا رَبَّكُم تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً﴾ (الاعراف:۵۵) (اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ اور دل ہی دل میں پکارو) میں دونوں امور داخل ہیں۔ جس طرح دعاءِ طلب کی تکمیل کیلئے ریاکاری سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ہاں خلوص، عاجزی، زاری، مسکینی اور تذلّل کار آمد اجزاء ہیں، اسی طرح دعاءِ عبادت بھی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک ہیشگی، عاجزی، حضورِ قلب، ریاکاری سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ کیلئے خلوص کی اعلیٰ صفات سے مزیّن نہ ہو۔ اسی طرح برگزیدہ رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّ رَهَباً﴾ (انبیاء:۹۰)

وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں شوق اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے۔

وہ شوق اور خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاءِ طلب کرتے تھے کیونکہ یہ ان کا وصف تھا۔

ان کا یہ وصف بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور تقرب کا مقام حاصل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱) ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ﴾ (قصص:۸۸)

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔

(۲) ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ﴾ (مومنون:۱۱۷)

اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۳) ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً﴾ (جن:۱۸)

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایک کو بھی نہ پکارو۔

یہ آیات دعاء طلب اور دعاء عبادت دونو پر مشتمل ہیں۔ جس طرح غیر اللہ سے ایسی حاجت طلب کرنے والا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پوری نہیں کرسکتا مشرک اور کافر ہے، اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کی وہ بھی مشرک اور کافر ہے۔ یہ آیت بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے:

﴿فَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذاً مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (یونس:۱۰۶)

اور اللہ جلّ شانہٗ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو تجھے نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان اگر تو نے ایسا کیا تو تب تو ظالموں میں سے ہو جائیگا۔ ان میں یہ دونوں امور شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (بنی اسرائیل:۱۱۰) (اللہ عزّ وجلّ کے خوبصورت نام ہیں اسے ان ناموں سے پکارو) میں دعائے سوال اور دعائے عبادت دونو شامل ہیں۔ لیکن جہاں تک دعائے سوال کا تعلق ہے اس میں اللہ تعالیٰ سے مطلوب اور مقتضیٰ کے متناسب نام کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے مثلاً جس نے اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور مغفرت کا سوال کرنا ہو تو اس کی دعا اللہ تعالیٰ کے غفور الرّحیم نام کے ساتھ ہوتی ہے اور جو رزق کا سوال کرتا ہے وہ اس کے اسم رزّاق کے ساتھ سوال کرتا ہے۔ وھکذا

لیکن دعائے عبادت جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کے ساتھ اُس کی بندگی بجالانا

ہے۔ بندہ اولاً اس کے اسم کریم کے معنیٰ سمجھتا ہے پھر وہ اپنے دل میں اس کے استحضار کو قائم رکھتا ہے حتیٰ کہ اس سے اس کا دل کریمانہ جذبات سے بھر جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور کبریائی پر دلالت کرنے والے اسمائے گرامی دل کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور جلالت کے جذبات سے بھر دیتے ہیں۔ اسی طرح رحمت، فضل اور احسان پر دلالت کرنے والے اسمائے گرامی دلوں کو اس کے فضل اور رحمت سے بھر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وہ اسمائے گرامی جو اس کے لطف وکرم، محبت اور کمال کی نشان دہی کرتے ہیں دلوں کو محبت والفت اور رجوع الی اللہ کے جذبات سے معمور کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وہ اسمائے گرامی جو اس کے علم کی وسعت اور اس کی باریک بینی پر دال ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے نفس کی نگرانی اور حیا کو بندے پر واجب کر دیتے ہیں۔ یہ تمام امور دلوں کو کامل ترین احوال اور عمدہ اوصاف کے حامل بنا دیتے ہیں جن سے دل متصف ہوتے اور رنگ پکڑتے ہیں نیز بندہ اپنی ذات کو ان کا عادی بنائے رکھتا ہے حتیٰ کہ اس کے قلب اور روح خود سپردگی اور والہانہ شوق کے جذبات سے مسحور ہو جاتے ہیں اور وجد کرنے لگتے ہیں اس طرح قلبی اعمال کے ساتھ بدنی اعمال کی بھی تکمیل ہوتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو اپنی معرفت، محبت اور اپنی طرف رجوع کی کیفیات سے بھر دے۔ آمین کیونکہ وہ سب سے بڑا کریم ہے اور سب سے بڑا سخی ہے۔

## قاعدہ نمبر ۵۲

جب حق واضح اور روشن ہو جاتا ہے تو علمی اور عملی لحاظ سے اعتراض کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا چنانچہ موجودہ قاعدہ شرعی، عقلی اور فطری ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر یہ قاعدہ وارد ہوا ہے اور اس کی طرف راہنمائی کی گئی ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے:

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اختلافات، مشکلات، تردد اور باہمی مشوروں کے مواقع اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب کسی معاملے میں شکوک وشبہات اور احتمال کی گنجائش موجود ہو کیونکہ سارے پہلوؤں کی تشریح وتوضیح کا یہی طریقہ ہے۔

جب کسی امر میں ایک واضح اور متعین مفہوم کے علاوہ اور کسی معنیٰ کا احتمال ہی باقی نہ رہے اور

مصلحت واضح ہو چکی ہو تو وہاں بحث و مباحثہ بے معنی ہو گا، تب مخالف کے اعتراضات کی طرف توجہ نہیں دی جاتی کیونکہ کج بحث آدمی محسوس ہونے والی چیزوں کے بارے میں منکر ہی کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾(البقرہ: ۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ صحیح بات غلط بات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

یعنی جب ہدایت گمراہی سے الگ ہو گئی تو جبر کے لئے کوئی موقع نہ رہا کیونکہ جبر اس امر میں ہوتا ہے جس میں مصلحت خفیہ ہو لیکن معاملہ جب واضح ہو جائے کہ دونوں جہانوں کی مصلحت اور سعادت اس سے مربوط اور متعلق ہے تو اس میں جبر کا کون سا جواز باقی رہ جاتا ہے اور اس قول کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ط فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾(الکھف: ۲۹)

اور صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

یعنی یہ وہ حق ہے جس کی حقیقت پر واضح دلائل قائم ہو چکے ہیں لہذا جس کا جی چاہے اس کو مانے اور جو چاہے انکار کرے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿لِيُهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال: ۴۲)

تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔

اور فرمایا کہ ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾ ( آل عمران: ۱۵۹ )

اور اہم معاملات میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیجئے۔

یعنی جو معاملہ مشورے کا محتاج ہو اور اس میں مصلحت کی وجہ معلوم کرنی ہو تو اس کے بارے

میں مشورہ کیا جائے لیکن جس معاملے کی مصلحت متعین ہو اور اُس کا واجب ہونا واضح ہو جائے تو اس میں موقف یہ اختیار کرو:

﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

جب تو پختہ ارادہ کر لے تو پھر اللہ پر توکل کر۔

اللہ تعالیٰ نے ان معانی کو اپنے اس ارشاد میں پورے طور پر واضح کر دیا ہے:

﴿ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ﴾ (انفال: ٦)

وہ حق واضح ہو جانے کے بعد آپ ﷺ سے جھگڑتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ حق واضح و معلوم ہو جانے کے بعد کوئی جھگڑا کرے تو وہ شرعی اور عقلی لحاظ سے بر سر غلط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (الانعام: ۱۱۹)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی تفصیل بیان کر دی ہے جو تمہارے اوپر حرام کی گئی ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبیحے کے کھانے کے پرہیز اور اس پر سرزنش کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے حرام کردہ چیزوں کی تفصیل بیان کر دی ہے اور جن چیزوں کی تحریم کا ذکر نہیں فرمایا وہ واضح طور پر حلال ہیں۔ ان سے رک جانے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کے وجوب کی نشاندہی کرنے والی آیات کا ذکر فرمایا ہے، اُس کے واضح ہو جانے کے بعد اس کو قبول نہ کرنے والوں کی سرزنش و ملامت کی ہے چنانچہ فرمایا:

﴿ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴾

(الانشقاق: ۲۰، ۲۱)

انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

جب قرآن مجید کی عظمت واضح ہوگئی اور اس کا اعلیٰ کلام ہونا روشن ہوگیا اور جب اس کا بیان سچائی اور انجام کے لحاظ بہت فائدہ مند ہونا ثابت ہوگیا تو اس قولِ ربانی کی رو سے:

﴿فَبِاَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَ آيَاتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ﴾(الاعراف:۱۸۵)

وہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے؟

ظاہری و باطنی عظیم نعمتوں کا ذکر فرماتے ہوئے کہا:

﴿فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى﴾(نجم:۵۵)

پس تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں پر شک وشبہ کرے گا؟

﴿فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾(الرحمٰن:۱۳)

پس تم (جن وانس) اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ﴾(یونس:۳۲)

پس حق کے بعد گمراہی کو سوا اور کیا ہوتا ہے؟۔

اور اسی طرح سے بہت سی آیات ہیں جن کے ساتھ قرآن کریم جھٹلانے والوں سے مباحثے کی ہدایت دیتا ہے اور ان کے ساتھ بطریق احسن مباحثہ کرتا ہے حتیٰ کہ جب انہیں مکمل طور پر حق کی وضاحت کی حالت تک پہنچا دیتا ہے اور شبہ کا پورے طور پر ازالہ کر دیتا ہے تو رُخ مباحثے کی بجائے اُن کے لئے دنیا وآخرت کی دھمکی کیطرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس عظیم الشان حقیقت سے متعلق قرآن حکیم میں بہت سی آیات ہیں۔

## قاعدہ نمبر ۵۳

قرآن حکیم کے قواعد میں سے یہ ہے کہ وہ واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اجر وثواب اطاعت و عبادت کی مشقت کے مطابق ملے گا نیز عبادت کے راستے کی سہولت اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ اجر میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوتا۔

یہ قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر لطف واحسان کی وضاحت کرتا ہے اور اس کی وسیع حکمت اور اس کے فضل واحسان اور اس کی بخشش ورحمت کے آثار میں سے عظیم اثر کی نشان دہی کرتا ہے اور وہ مشقتیں اور ریاضتیں ان فیوض وبرکات کے مقابلے میں کوئی شے نہیں ہیں بلکہ وہ

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر محض فضل واحسان ہے جب کہ اس نے ان کے لئے یہ عبادات آسان کردی ہیں جو انہیں دنیا اور آخرت کی عزت وکرامات کی منازل تک پہنچاتی ہیں۔

اگر وہ عبادات نہ ہوتیں تو وہ ان منازل تک نہ پہنچ پاتے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰہِ مَالَا یَرْجُوْنَ﴾(النساء:۱۰۴)

اگر تم تکلیف اٹھارہے ہو تو وہ بھی تکلیف اٹھارہے ہیں جس طرح تم تکلیف اٹھارہے ہو اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

نیز فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ﴾(البقرۃ ۱۵۵)

ہم تمہیں ضرور ہی خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال اور پھلوں کے گھاٹے میں مبتلا کرکے آزمائیں گے۔صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔

نیز فرمایا:

﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾(الزمر:۱۰)

صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کے محرمات کے ترک پر جس قدر صبر کی بڑی مشقت ہوگی اور مصائب کے واقع ہونے پر جس قدر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جائے گا اسی حساب سے اجر وثواب دیا جائے گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشقت آمیز عبادت کی آسانی سے متعلق اپنے لطف وکرم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ﴾(الانفال:۱۱،۱۲)

وہ وقت یاد کرو جب کہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جما دے۔ اور وہ وقت جب کہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ "میں تمہارے ساتھ ہوں' تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو' میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر ان معاملات کو آسان بنانے اور اُن پر قدرت دینے کے ساتھ اپنے احسان کا ذکر فرمایا جن کے ساتھ عبادت آسان سہل اور ثمرات دینے والی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾

(یونس:۶۲،۶۳)

سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا' ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں اُن کے لئے بشارت ہی بشارت ہے۔

پس وہ بشارت جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں سے دنیا کی زندگی میں وعدہ فرمایا ہے، اس کا روشن پہلو یہ ہے: کہ ان کیلئے عبادات کو آسان فرما دیتا ہے اور اعمال صالح ہلکے کر دیتا ہے اور بھلائی کرنا ان کیلئے آسان کر دیتا ہے اور آسان تر عمل کے ساتھ انہیں شر سے بچاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى﴾ (الّیل:۵،۷)

اور جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے

یعنی ہر حالت میں اُس کیلئے اس کے معاملات میں آسانی اور سہولت ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

مَنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ﴾(النحل:۹۷) جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن' اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔حیات طیبہ جو انہیں عطا کی جائے گی وہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی خاطر ذوقِ بندگی اور ریاضت میں کیف وسرور کے حصول پر مشتمل ہوگی۔

یہ جملہ احوال اہل ایمان کے لئے خیر ہیں اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے عبادت کے طریقے آسان کر دیئے ہیں اور انہیں ہلکا بنا دیا ہے اس پر وہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے ثواب کی نیت سے صبر کے ساتھ جدوجہد کرتا ہے اور بڑے اجر کی امید رکھتا ہے۔قرآن حکیم میں متعدد آیات کے یہی معنی ہیں ۔واللہ اعلم

## قاعدہ نمبر ۵۴

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کی نفی فرما دیتے ہیں اگر چہ وہ اپنی صورت میں موجود ہوتی ہے کیونکہ اُس سے فائدہ اور اس سے مطلوبہ نتیجہ حاصل ہونے کی توقع نہیں ہوتی ۔

وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، اسے سننے، دیکھنے اور سوچنے وغیرہ کی قوتوں کے ساتھ نوازا تا کہ وہ ان کو استعمال کر کے اپنے رب کو پہچانے اور اس کا حق ادا کرے، ان سے مقصود یہ ہے اور ان قوتوں کو استعمال کرتے ہوئے تقلید کی قید سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کی آیات وسنن جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی پر غور وفکر کرے۔ایسا غور وفکر انسان کے مقصدِ تخلیق، اس کی نشو ونما اور اس کی تکمیل کو یقینی بناتا ہے اور اس کے فقدان سے انسان کا وجود اس کے عدم سے زیادہ مضر ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت اور اس کی نعمت ہے جس سے دین ودنیا کی مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں اور اگر نعمت کامل ہو تو مقصود اس کے ساتھ پیوست ہو جاتا ہے اور اگر ان قوتوں کا حامل انہیں اپنے مقصدِ تخلیق کے خلاف استعمال کرے تو وہ اس پر آفت اور حجت بن جاتی ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ ان تین امور کو کافروں کی اقسام سے زیادہ ترنفی کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے وہ اپنے آباؤ اجداد اور سرداروں اور رئیسوں کی اندھی تقلید کے طوق وسلاسل میں جکڑے

ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگرداں ہیں اور اگر چہ وہ اسلامی ناموں کے ساتھ موسوم ہیں اور انہوں نے علمی لباس والقاب اوڑھ رکھے ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کفار ومنافقین کے وصف کے ساتھ منسوب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۷۰، ۱۷۱)

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہِ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟ یہ لوگ جنہوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے انکار کر دیا ہے ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، اس لئے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں اکثر سمجھتے نہیں ہیں ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔

سورہ اعراف: ۱۷۲ میں فرمایا:

﴿ وَاِذَا اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾

اور اے نبی! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی یہ آیات اور تمہارے آباء کی پشتوں اور تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری تشکیل اور ان سے تمہارے مکمل بشر بن کر نکلنے میں اور آسمانوں اور زمین میں ہر چیز کی تسخیر میں تمہارے لئے واضح اور ناطق نشانیاں ہیں۔ پھر ان نشانیوں سے انسان کی غفلت کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمودات ہیں۔ اور اس نے انسان کی اس غفلت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيْ آتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ (الاعراف: ۱۷۵)

اور اے نبی! ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات کا علم عطا کیا مگر اس نے انہیں ناپسند کرتے ہوئے جھٹک دیا ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان کے ذریعے سے اسے بلندیاں عطا فرماتے۔ ہم نے اسے یہ نعمتیں صرف اس لئے عطا کی تھیں کہ وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی حکمت میں غور کرے اور درجاتِ کمال تک رسائی حاصل کرے۔ لیکن وہ حیوانوں کے مقام پر ہی رہا اس اندھی تقلید پر راضی رہتے ہوئے جو چوپایوں کی خصوصیت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے مقلد اور روگردانِ افراد کے انجام کا خاتمہ اپنے اس ارشاد سے فرمایا:

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

ان کے پاس دل ہیں مگر وہ سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔

مطلع فرمادیا کہ حیوانی حواس کی صورتیں موجود ہیں مگر ان سے انسانی فوائد مفقود ہیں۔ اسی لئے تو فرمایا:

(۱) ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي

الصُّدُوْرِ ﴿(الحج: ۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔

(۲) ﴿وَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ﴾ (النمل: ۸۰)

اور تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہو جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں۔

اور اس حقیقت پر مبنی بہت سی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ (النساء: ۱۵۰،۱۵۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے اور کفر اور ایمان کے درمیان ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب پکے کافر ہیں۔

چنانچہ بہمہ وجوہ ان کا کفر ثابت کیا اس لئے کہ ان کا دعوئ ایمان کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے انہیں حقیقتِ ایمان میں داخل کرنے کا موجب نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے ایمان کا اثر مفقود ہے جب کہ انہوں نے حضور محمد ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی رسالت کی صحت سے انکار کر کے جھوٹ بولا اور جب کہ انہوں نے ایمان کے دلائل کا انکار کیا جن سے رسالت کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے جس پر ایمان کا انہیں زعم ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ﴾

(البقرہ: ۸)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر

حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔

ایمان نافع قلب سلیم میں جہالت، شکوک وشبہات اور تقالید کے پودے کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔ پھر اسے کائنات کے اندر بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور قرآن مجید کی آیات پر تدبر کے نچوڑ سے سیراب کیا جاتا ہے تو قلب وجوارح میں عبادت واطاعت کے پاکیزہ ترثمرات پھوٹتے ہیں جب کہ منافقین اپنی زبانوں کے ساتھ وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔ ان کے فائدے اور ثمرات کے معدوم ہونے کے باعث ان کے ایمان کی نفی کی گئی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی سے زیادہ تر واجبات اور فرائض ترتیب پاتے ہیں جب کہ اس کا فرمان ہے:

(۱) ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾(آلِ عمران : ۱۲۲)

اللہ پر ہی اہلِ ایمان بھروسہ کرتے ہیں۔

(۲) ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾(المائدہ:۲۳)

اگر تم مومن ہو تو اللہ پر ہی بھروسہ کرو۔

(۳) ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنَ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾(انفال: ۴۱)

جان لو کہ جو کچھ تم نے مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے، اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان لائے ہو جو اللہ نے فیصلے کے روز اپنے بندے پر نازل کی تھی۔ نیز فرمایا:

(۴) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾( انفال: ۲ تا ۴)

بے شک مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اُن کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد

رکھتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ایسے لوگ حقیقی مومن ہیں ،ان کیلئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، قصوروں سے درگذر ہے اور بہترین رزق ہے۔

وہ یہ کہ سچا ایمان صدق عقیدہ کا اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کا اور شرک ومحرمات سے اجتناب کا تقاضا کرتا ہے اور اگر یہ چیز حاصل نہ ہو تو اس کے بعد نہ تو وہ مکمل ہوتا ہے اور نہ وہ مضبوط ہوتا ہے اسی لئے فرمایا:﴿ أولٰـئِکَ هُـمُ الْـمُومِنُوْنَ حَقًّا﴾ وہ سچے مومن ہیں۔اور اسی طرح سے علم شرعی اپنے ساتھ عمل اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی فرمابرداری کا تقاضا کرتا ہے چنانچہ منحرف اہل کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ نَبَـذَ فَرِيْقٌ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْ تُوْالْكِتَابَ كِتَا بَ اللّٰهِ وَرَا ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَo﴾ (البقرہ:۱۰۱)

ان اہلِ کتاب نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

اس کی نظیر حضرت موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کا یہ مکالمہ ہے:

﴿ اَتَتَّـخِـذُ نَـا هُـزُوًاط قَـالَ اَعُـوْذُ بِـالـلّٰـهِ اَنْ اَكُوْنَ مِـنَ الْجَاهِلِيْنَ﴾البقرہ:۶۷

انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا،''کیا تو ہم سے مذاق کر رہا ہے''؟ حضرت موسیٰ نے کہا،''میں اپنے اللہ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں''۔

جب علم کا فقدان ہوتا ہے تو وہ قبیح جہالت ہے اور اس کے ساتھ عمل بھی نہ رہے تو وہ بد ترین جہالت ہوتی ہے۔

## قاعدہ نمبر ۵۵

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے عمل کو جو وہ شروع کرتا ہے لکھ لیتا ہے بندہ یا تو طریقے کے مطابق اپنے عزم کی تکمیل کر لیتا ہے یا اس کی تکمیل سے مجبوراً عاجز رہ جاتا ہے اور اس کیلئے اس کے عمل

کے آثار کو بھی لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ تین امور ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں۔

جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے جن کو بندے نے براہ راست کیا تو ان میں اکثر نصوص کو شمار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ:

(۱) ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (بدلہ) وہ ملا جو تم کماتے تھے۔

(۲) ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا كْتَسَبَتْ﴾ (البقرۃ:۲۸۶)

ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کیلئے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔

(۳) ﴿ لِیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ﴾ میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔

اور اسی طرح کی دیگر نصوص ہیں، مگر وہ اعمال جن کی تکمیل سے بندہ عاجز رہ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِراً اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ﴾ (النساء:۱۰۰)

جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کیلئے نکلے پھر راستے میں ہی اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے واجب ہو گیا۔

تو یہ شخص ہجرت کے ارادے سے نکلا تھا مگر موت نے اسے اس کے عمل کی تکمیل سے قبل ہی آلیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے ارادے کو پورا کر دیا اور اسے اس کا اجر عطا فرمایا۔ پس جس کسی نے اعمال خیر میں سے کوئی عمل اپنے اوپر واجب کر لیا پھر وہ اس کی تکمیل سے عاجز رہ گیا اس وجہ سے کہ وہ اس کی طاقت سے باہر تھا حالانکہ اس کی نیت میں اس کی تکمیل تھی۔ تو اسی کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے رہا، کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت:۶۹)

اور جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں ضرور ہی اپنے راستے دکھا دیں گے۔

پس جس نے خیر کے لئے جدوجہد کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس تک رسائی کے لئے طریق

کارکو سمجھا دیا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے اس عمل کو مکمل کیا یا اس کیلئے اس میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوگئی۔

اور جہاں تک بندے کے اعمال کے آثار کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَھُمْ ﴾(یٰسٓ: ۱۲)

ہم یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں جو کچھ اعمال انہوں نے کئے وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں۔

اور اس کے عمل کے ساتھ (وآثارھم) کو جمع کر دیا جو دنیا اور آخرت میں خیر اور شر کے ساتھ اس کے اعمال پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور مجاہدین کے بارے میں فرمایا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾(توبہ:۱۲۰)

اس لئے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک، پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں اور کفار کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں اور کسی دشمن سے کوئی انتقام وہ لیں اور اس کے بدلے میں ان کے حق میں ایک عملِ صالح نہ لکھا جائے۔ یقیناً اللہ کے ہاں محسنین کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا ہے۔

یہ تمام امور اس کے عمل کے آثار میں سے ہیں۔ پھر اپنے اس قول میں اُن کے ان اعمال کا ذکر فرمایا جو انہوں نے براہِ راست کئے:

﴿وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾(توبہ:۱۲۱)

اسی طرح ایسا بھی کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں تھوڑا یا زیادہ کوئی خرچ وہ کریں یا راہِ جہاد میں کوئی وادی وہ پار کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ نہ لیا جائے تاکہ اللہ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں عطا کرے۔

اور بندے کے ان اعمال کی جو اس کے عمل کے آثار سے ہیں دو اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک وہ کام ہے جو انسان کے ارادے کے بغیر واقع ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ سخاوت کے طور پر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کارِ خیر میں کوئی دوسرا بھی اس کی پیروی کرتا ہے تو وہ اس کے عمل کے آثار میں سے ہے مثلاً جس طرح سے کوئی شخص محض پاکدامنی کے ارادے سے نکاح کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے نیک اولاد عطا فرماتا ہے جن کے وجود سے اور جن کی دعا سے وہ مستفید ہوتا ہے۔

اور دوسرا جو دونوں قسموں سے بہتر ہے وہ عمل ہے جو اس کے ارادے سے واقع ہو۔ وہ اس شخص کی طرح ہے جو کسی دوسرے کو علم نافع کی تعلیم دے پس خود اس کی تعلیم اور اس میں اس کے براہِ راست مشغول ہونے کے محرک اس کے اعمال ہیں اور پھر جو کچھ علم اور خیر اس پر مرتب ہوا وہ اس کے اعمال کے آثار ہیں، جیسا کہ کوئی شخص خیر کا عمل کرے تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں یا پاکدامنی اور صالح اولاد کے لئے نکاح کرے اور اس کی مراد پوری ہو جائے تو یہ اس کے اعمال کے آثار ہیں، اسی طرح جب کوئی کھیتی کاشت کرتا ہے یا کوئی پودا اگاتا ہے یا کوئی صنعت قائم کرتا ہے جس سے لوگ اپنے دینی اور دنیوی معاملات میں مستفید ہوتے ہیں اور اس نے اس سے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے حصول نفع کی نیت کی ہو تو اس عمل پر جو نفع مرتب ہوگا تو وہ اس کے عمل کے آثار میں سے ہے اور اگر وہ اپنے عمل پر اجر ومعاوضہ حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ تینوں کو ایک ہی تیر کی بنیاد پر جنت میں داخل فرمائے گا یعنی اس کے بنانے والے، اس کے جلانے والے اور اس میں معاونت کرنے والے تینوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

## قاعدہ نمبر ۵۶

قرآنِ حکیم مسلمانوں کو ان کی جملہ مصلحتوں کے قیام کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور وہ راہنمائی یہ ہے کہ جب ان سب مصالح کا حصول نہ ہو پائے تو ہر مصلحت کے لئے ایک ایک ایسے گروہ کو مصروف کر دیا جائے جو اس کے قیام کی قدرت رکھتا ہو اور اس کے لئے کافی وقت نکال سکے اور ان سب کی منزلِ مراد ایک ہی ہو، صرف اسی طرح ہی مسلمانوں کی جملہ مصلحتوں کے قیام کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

یہ بڑے عظیم الشان قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے اور شریعت کی حکیمانہ سیاست کا کلیہ ہے۔

کیونکہ بیشتر عمومی مصلحتوں کے لئے تمام لوگوں کا مشغول ہونا ممکن نہیں اور نہ ان کا پورا ہونا ممکن ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کے حصول کے طریقوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاد اور علم جو کہ دونوں دین کی سب سے بڑی مصلحتوں میں سے ہیں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ الْمُومِنُونَ لِيَنفِرُوْا كَافَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُم طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾

(توبہ:۱۲۲)

اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے۔

پس جہاد کے لئے ایک گروہ کا کھڑا ہونا کافی ہے اور دوسرے گروہ کا علم کے لئے اور جہاد کے لئے قائم ہونے والا گروہ جہاد سے اپنی واپسی پر وہ علم حاصل کرے جو اس سے رہ گیا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

(۲) ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدہ:۲)

نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں تعاون کرو۔

(۳) ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (تغابن:۱۶) جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔

(۴) ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (شوریٰ:۳۸)

اُن کے معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں جو اس عظیم اصول اور مفید قاعدہ کی نشاندہی کرتی ہیں اور

اس بات کی دلیل ہیں کہ مسلمانوں کے ہر گروہ کا کسی نہ کسی مصلحت کے لئے کھڑا ہونا گویا تمام مصلحتوں کے لئے کھڑا ہونے کے مترادف ہے کیونکہ ہر فرد امت کے مفادات کا نگران ہے (ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ) اور وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے جملہ اعمال میں اسی مطمع نظر کی طرف پیش قدمی کرنے والا ہو۔

اگر مسلمان اپنے احوال کی درستی اور اپنے معاملات کی اصلاح کے لئے اس طریقے پر چلنے کیلئے متفق ہو جائیں تو ان کی بہت ساری خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

## قاعدہ نمبر ۵۷

آسمانوں، زمینوں اور پوری کائنات کی تخلیق میں موجود نشانیوں سے توحید اور مقاصد عالیہ پر استدلال کی کیفیت کے بارے میں۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں اپنے بندوں کو ان مخلوقات میں موجود نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت دی ہے اور ان میں غور وفکر کرنے والوں کی تعریف کی ہے اور آگاہ فرمایا ہے کہ ان مخلوقات میں موجود جو نشانیاں اور عبرتیں ہیں ان کے فہم و معرفت کے ہم محتاج ہیں تاکہ ہمارے دین اور دنیا کی مصلحتیں پوری ہو سکیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس طریقِ کار کو اختیار کریں جو مطلوب تک لے جانے والا ہے اور کما حقہٗ آسان تر اور واضح تر ہے۔

اجمالاً اس کا حاصل یہ ہے کہ جب ہم اس عظیم کائنات میں غور وفکر کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے کہ وہ کسی موجد کے بغیر معرض وجود میں نہیں آئی اور نہ اس نے اپنے آپ کو پیدا کیا ہے، یہ واضح امر ہے۔

ہمیں یقین ہو جائے گا کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے وہی اول ہے جس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور وہی آخر ہے جس کے بعد کوئی چیز نہ ہوگی۔ وہ کامل قدرت، عظیم اقتدار اور وسیع علم کا مالک ہے اور یہ کہ دنیا کے اندر ہماری پیدائش کی بہ نسبت نشاءۃ ثانیہ میں جزائے اعمال کے لئے ہمارا اعادہ اس کے لئے سہل تر ہے: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ غافر: ۵۷ آسمانوں کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے بالاتر ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ وہ زندۂ جاوید

اور قائم رہنے والی اور قائم رکھنے والی ہستی ہے۔

جب ہم ان کے استحکام، مضبوطی اور ایجاد میں غور کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے کمالِ حکمت، اس کے حسنِ تخلیق اور وسعتِ علم کا پتہ چلے گا اور ہمیں ہمارے اندر اور اس کائنات کے اندر اس کی حکمت کے آثار کی معرفت حاصل ہو جائے گی کہ ہم صرف اس زندگی کے لئے ارادۃً پیدا نہیں کئے گئے ہم اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ہم اس میں نشاۃ ثانیہ کے لئے تیاری کریں۔

اور جب ہم ان میں وہ ضروری اور مکمل منافع اور مصلحتیں جن کا کوئی شمار نہیں ہے دیکھ لیں گے تو ہم سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت، عظیم فضل وکرم، احسان، سخاوت اور نوازشات کی صفاتِ عالیہ سے متصف ہے اور جب ہم ان کی خصوصیات میں غور کریں گے جب کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ارادے اور اس کی مشیت کے نفاذ کی نشاندہی کر رہی ہیں تو ہم جان لیں گے کہ یہ سب کچھ اسی کے اوصاف میں سے ہے اور یہ اس کی شان ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور وہ محبوب، محمود، ذوالجلال والاکرام ہے اور وہ ہستی ہے کہ رجوع و رغبت اسی کی طرف ہونی چاہئے اور خوف بھی اسی کا ہونا چاہئے اور پُر خلوص دعا بھی اسی کے حضور ہونی چاہئے کیونکہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کی مخلوقات ہیں وہی ان کا پالنے والا ہے اور ہر شئے اپنے جملہ معاملات میں اسی کی محتاج ہے۔

پھر جب ہم اس پہلو سے غور کریں گے کہ جو کچھ پیدا کیا گیا ہے وہ ہمارے فائدے کے لئے ہے اور وہ ہمارے لئے مسخر کیا گیا ہے اور ان کے عناصر، مواد اور جوہر کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تصرّف میں دے دیا ہے کہ وہ ان سے مختلف قسم کے منافع حاصل کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ موجودہ وقتوں کی جدید ایجادیں ان تمام فائدوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اس لئے اصلاحِ احوال کیلئے اپنی استطاعت کے مطابق ہم وہ سارے طور طریقے اختیار کریں جن سے فائدے حاصل ہوتے ہوں اور کسلمندی اور بے کاری میں مبتلا نہ رہیں، یا یہ بھی نہ سمجھ لیں کہ ان امور کا علم اور ان کا استخراج علومِ باطلہ ہیں اس دلیل کے ساتھ کہ کفار نے اس بارے میں ہم سے سبقت حاصل کی ہے اور اس معاملہ میں ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ـــ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمایا ہے ـــ کائنات کی تسخیر میں داخل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کو وہ کچھ سکھاتا ہے جس سے وہ بے خبر ہے۔

# قاعدہ نمبر ۵۸

اللہ تعالیٰ جب اپنے انبیاء اور اصفیاء کی صفاتِ کاملہ میں شرف اور برتری کے اظہار کا اردہ فرماتا ہے تو ان اوصاف کی کامل استعداد رکھنے والوں اور ناقصین کو مقابلے کیلئے جمع کرتا ہے اور کاملین کی برتری ثابت کرتا ہے اور یہ امور قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا فرشتوں پر علم کے ذریعے شرف کے اظہار کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت حضرتِ آدمؑ کو ہر چیز کے اسماء سے باخبر کر دیا پھر ملائکہ کا امتحان لیا تو وہ ان کی معرفت سے عاجز رہ گئے۔ اس وقت حضرتِ آدمؑ نے ملائکہ کو ان اشیاء کے ناموں سے اگاہ کیا چنانچہ وہ ان کے علم کے سامنے جھک گئے اور ان کے فضل و شرف کو جان گئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے علم اور تعبیر کے میدان میں حضرتِ یوسفؑ کے شرف کے اظہار کا اردہ فرمایا تو بادشاہ کو خواب دکھایا جو اس نے ہر تعبیر جاننے والے پر پیش کیا مگر وہ سب اس کی تعبیر سے عاجز رہ گئے۔ پھر حضرتِ یوسفؑ نے اس خواب کی حیران کن تعبیر بیان کی جس سے ان کا فضل و شرف ظاہر ہوا اور مخلوق کی نظروں میں جن سے اس خواب کی تعبیر ممکن نہ تھی ان کی عظمت اجاگر ہوئی

جب فرعون نے ان نشانیوں کے مقابلہ کی ٹھانی جن کے ساتھ حضرتِ موسیٰؑ بھیجے گئے تھے اور اس نے گمان کیا کہ وہ جادو کے ذریعے حضرتِ موسےؑ پر غلبہ حاصل کر لے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی مملکت کے ہر گوشے سے ماہر جادوگروں کو جمع کیا اور عید کے دن لوگ جمع ہو گئے۔ جادوگروں نے اس عظیم اجتماع میں اپنے ڈنڈے اور رسیاں پھینکیں اور انہوں نے لوگوں کے سامنے بڑے عجیب جادو کا مظاہرہ کیا:

﴿فَسَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ﴾

(اعراف:۱۱۶)

انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو لے کر آئے۔

اس وقت حضرتِ موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو اس نے یکا یک لوگوں کی نظروں کے سامنے ان

کے عصا اور رسیاں نگلنی شروع کر دیں چنانچہ یہ بڑی نشانی ظاہر ہوگئی۔ جادوگر جو سحر کی حقیقت کے ماہر تھے، اس عظیم نشانی کے سامنے ظاہری و باطنی طور پر جھکنے والوں میں سب سے اول تھے۔

جب اہل مکہ نے نبی ﷺ کی نصرت سے منہ پھیر لیا اور آپؐ کے دشمن آپ ﷺ کے خلاف جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے خلاف بڑی چال چلی تو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز نصرت کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی۔ وہ ایک منفرد نصرت تھی جس نے آپ ﷺ کے شدید غضبناک اور مکار دشمن کی ہر اس چال کا احاطہ کر لیا اور اس پر قابو پا لیا جو آپ ﷺ پر شدید ہاتھ ڈالنے اور عظیم مصیبت کھڑی کرنے کیلئے کی گئی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو اس مصیبت سے نجات اور خلاصی دینا نصرت کی اعلیٰ ترین مثال ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس حالت کا ذکر فرمایا ہے جس میں اہل زمین پر عتاب فرمایا ارشاد ہوا:

﴿إِلَّا تَنْصُرُوا فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (توبہ:۴۰)

تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پرواہ نہیں، اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ ''غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''
اس وقت اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے۔ اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے۔

اس کے قریب ہی اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین کے موقع پر آپؐ کی نصرت فرمائی جبکہ مسلمان اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کثرت اُن کے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوصف ان پر تنگ ہو کر رہ گئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ثابت قدم رکھا اور آپ ﷺ پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور اس پریشانی کے عالم میں آپ کی

نصرت فرمائی۔ یہ نصرت ایک عظیم واقعہ تھا جس کی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اصفیاء پر واقع ہونے والے شدائد کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ جب جنگ یا مصیبت میں شدت آئی اور اہل ایمان پر مایوسی کا غلبہ قریب آ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی راحت ونصرت نازل فرمائی تا کہ ان کے دلوں کو قرار وسکون نصیب ہو اور بندے علّام الغیوب کی نوازشات کی معرفت حاصل کر لیں۔

یہی بات بندوں پر بارش کے نزول سے متعلق ہے جب کہ اس سے قبل وہ اس کے نزول سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمت کے آثار اور اس کے فضل کی بشارت حاصل ہوتی ہے جو دلوں کو اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر اور ثنا کے ساتھ بھر دیتی ہے۔ اسی طرح سے وہ بندوں کو اس کے برعکس صورتِ حال پر متوجہ کر کے اس پر غور کرنے کے ساتھ اس کی نعمت کی یاد دلاتی ہے ارشاد ہوتا ہے:

(۱)۔ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ﴾ (انعام:۴۶)

اے نبیؐ ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ تمہاری بینائی اور سماعت تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا اور کونسا خدا ہے جو یہ قوتیں تمہیں واپس دلا سکتا ہو۔

مزید ارشاد فرمایا:

(۲)۔ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (القصص:۷۱،۷۲)

اے نبی ﷺ! ان سے کہو کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لئے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی

لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ان سے پوچھو، کبھی تم نے سوچا کہ اگر قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لئے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے تا کہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟ یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تا کہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

ہم اس سلسلے میں حضرتِ یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں کے قصے میں اشارہ پاتے ہیں جب مصیبت ان پر سخت ہوگئی اور وہ حضرت یوسفؑ کے ہاں پہنچے اور انہوں نے کہا:

﴿قَدْ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ انہوں نے کہا، "تحقیق ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو سخت مصیبت نے آلیا ہے۔ کچھ وقفے کے بعد یہ الفاظ آتے ہیں: ﴿اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ﴾ ان شاء اللہ تم مصر میں امن وسکون کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اس میں عظیم نعمت، عمدہ زندگی، اور عزّ و شرف اور جاہ و منزلت ہے۔ بڑی ہی بابرکت ہے وہ ہستی جس کی نوازشات اور دقیق عنایات کو بندے قلیل ترین حد تک بھی نہیں سمجھ پاتے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے شایانِ شان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ان کے مصائب کے دوران ان کے مقابلے میں اپنی نعمتوں کی یاددہانی کراتا ہے تا کہ دل پریشانی میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ جب مصائب کے مقابلے میں نعمتوں کو سامنے لایا جاتا ہے تو مصائب ہلکے ہو جاتے ہیں اور ان کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یاددلایا ہے جب ان کو احد کے موقع پر مشرکین کے ہاتھوں مصیبت اٹھانی پڑی جیسی کہ مشرکین کو ان کے ہاتھوں بدر کے موقع پر اٹھانی پڑی تھی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾ (آل عمران: ۱۶۵)

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی حالانکہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں ان پر پڑ چکی ہے۔ اے نبی ﷺ! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نجات سے پہلے مصائب سے نکلنے کی بشارت دے دیتا ہے تاکہ یہ امید اس پر نازل شدہ بلا کو ہلکا کر دے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (یوسف:۱۵)

اور ہم نے یوسف کو وحی کی کہ ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا' اور یہ اپنے فعل کے نتائج سے بے خبر ہیں۔"

اور اسی طرح سے حضرتِ یوسفؑ کا خواب تھا جس کی یاد حضرت یعقوبؑ کو آئی تو ان کے دل پر امید کی نسیم چلی اور اس لئے کہا:

﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ (یوسف:۸۷)

میرے بچو! جا کر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

اور اسی طرح سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معاملہ ہے:

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (سورۃ القصص:۷)

اور ہم نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اشارہ کیا کہ اس کو دودھ پلا پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر' ہم اسے تیرے ہی پاس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں کے لئے ان کی ذمہ داری کی تکمیل، ان کی نصرت اور ان کے حسن انجام کا وعدہ اُن کے لئے مشقتوں کو ہلکا کر دیتا اور تکلیفوں کو ان پر آسان کر دیتا ہے چنانچہ وہ انہیں اپنے دلوں کے اطمینان اور سینوں کی کشادگی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیاں دلوں کے وہم و گمان یا حاشیہء خیال میں سمانے سے بالاتر ہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں۔

# قاعدہ نمبر ۵۹

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (الاسرا:۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے۔

کتنا عظیم ہے یہ قاعدہ اور کتنا پختہ ہے یہ اصول عظیم جس کے عموم پر صریح نص وارد ہوئی ہے اور اس ہدایت کو کسی حالت کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا۔ عقائد ہوں، اخلاق ہوں، اعمال ہوں اور چھوٹے بڑے سیاسی معاملات ہوں' اعمال صنعت وحرفت ہوں اور دینی یا دنیوی معاملات ہوں قرآن مجید ہر حالت میں راستی کی طرف اور معاملات کی درستی کی طرف صحیح رہنمائی کرتا ہے اور اس کی ترغیب دیتا ہے۔

اقوم کے معنی نہایت عمدہ' بہت نفیس، صحیح تر اور استقامت میں کامل تر ہیں اور معاملات کی اصلاح اور ان کے قیام میں عظیم تر کے ہیں۔ جہاں تک قرآن کے عقائد کا تعلق ہے یہ وہ مفید عقائد ہیں جن سے دلوں کو درستی، زندگی اور کمال حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ دلوں کو عزت اور کرامت کے شعور سے بھر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خصوصی محبت، اس کی تعظیم' اس کی عبودیت اور اس کی طرف رجوع کی برکات کی بدولت مومن کو اپنی جیسی مخلوق اور اس کے شرف کے سامنے سے جھکنے سے نجات مل جاتی ہے یہ ہیں معنی جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اور جس کی طرف وہ دعوت دیتا ہے۔

جہاں تک اس کے اخلاق کا تعلق ہے تو قرآن حکیم ان سارے اخلاقِ جمیل یعنی صبر، حلم، عفو، ادب کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیتا ہے نیز اللہ اور اس کی مخلوق کے ساتھ حسنِ معاملہ کے سلسلے میں حسنِ اخلاق اور جملہ اخلاقی خوبیوں سے مزین ہونے کی دعوت دیتا ہے اور تالیفِ قلب اور اختلافات کے خاتمے کی ترغیب دیتا ہے۔

لیکن وہ دینی اعمال جن کی طرف وہ رہنمائی کرتا ہے' وہ بہترین اعمال ہیں جن کے ذریعے حالات کے مطابق حقوق اللہ اور حقوق العباد کا قیام ممکن ہوسکتا ہے اس طرح قرآن حکیم نہایت ہی آسان طریقے سے بڑی وضاحت کے ساتھ مقاصد کی طرف مکمل رسائی کی دعوت دیتا ہے۔

جہاں تک دینی اور دنیوی سیاسیات کا تعلق ہے تو قرآن حکیم مقاصد اور کلی مصالح کے حصول کیلئے نیز فسادات اور انارکی کے قلع قمع کرنے کیلئے مفید ترین طریقوں پر چلنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جہاں مصلحت اور اس پر عمل کرنے کی راہ واضح نہ ہو وہاں وہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق باہمی مشورے کا حکم دیتا ہے حتیٰ کہ والد اور اس کی اولاد' شوہر اور اس کی بیوی' اس کے خادم اور اس کے دوستوں اور اس کے سارے معاملات کے بارے میں کونسا فیصلہ مصلحت پر مبنی ہے جس سے اہل دانش اتفاق کرتے ہوں کہ وہ راست تر اور صحیح تر ہے کیونکہ قرآن ان کی طرف واضح طور پر رہنمائی کرتا ہے یا قواعدِ کلیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت اس کا حل موجود ہوتا ہے۔

اور اس اصول کی تفصیل کا مکمل بیان مختصر قواعد میں ممکن نہیں ہے ہے۔ جملہ تفاصیل اور جو اس ہمہ گیر اصول کی مصلحتوں کے مفصل تقاضے ہیں وہ کتاب وسنت میں وارد ہیں اس کے ساتھ اور اس کے علاوہ دیگر مباحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن اشیاء کو قرآن حرام قرار دیتا ہے ان سے علم صحیح اور نفع بخش مطالب یا درست طریقہ کا حصول ناممکن ہے۔

(اور اللہ تعالیٰ احسان کو پسند فرماتے ہیں)

## قاعدہ نمبر ٦٠

ان قواعد تعلیم میں سے جن کی طرف اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں رہنمائی فرماتا ہے ایک قاعدہ یہ ہے کہ وہ طویل قصوں کو آسان کلمات میں مجمل کر دیتا ہے اور پھر انہیں وسعت دیتا ہے اور اہم امور کی نفی یا اثبات میں بیان کو یا تو ایک درجہ اوپر لے جاتا ہے یا نیچے لے آتا ہے۔ یہ مفید قاعدہ ہے کیونکہ اس عجیب اسلوب سے بڑا موقع پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں اہم مطالب واضح ہو جاتے ہیں یعنی قصہ مختصر کلام کے ساتھ اصول وقاعدہ کے مطابق ہو پھر اس اجمال کی تفصیل کر دی جائے تو مکمل وضاحت اور بیان حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر طویل قصہ کی اجمالی صورت پیش کئے بغیر ابتداء ہی سے تفصیل پیش کر دی جائے تو وہ اتنا مؤثر نہیں ہوتا ہے کیونکہ اجمالی صورت تفصیل کا شوق دلاتی ہے۔ اور یہ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر وارد ہوا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے قصے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ (یوسف:۳) اے نبیؐ! ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرایہ میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کرنی شروع کر دی: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِيْنَ﴾ (یوسف:۷) حقیقت یہ ہے کہ یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں ان پوچھنے والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔ پھر پورے قصے کو بیان فرما دیا۔

اسی طرح سے الکھف (غار والوں) کا قصہ اس کی اجمالی تصغیر میں فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا﴾ (کھف: ۹ تا ۱۲)

کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں سے تھے، جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے پروردگار، ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے" تو ہم نے انہیں اسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلا دیا، پھر ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ دیکھیں ان کے دو گروہوں میں سے کون اپنی مدت قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔

یہ چند قلیل کلمات ہیں جو قصہ کے مقصود اور اس کے نچوڑ پر مشتمل ہیں پھر انہی قلیل کلمات کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ وسعت دی: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ہم تیرے اوپر ان کی خبریں حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا قصہ ہے، فرمان ربانی ہے:۔

﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ

نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ (قصص:۳ تا ۶)

ہم موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک تمہیں سناتے ہیں، ایسے لوگوں کے فائدے کے لئے جو ایمان لائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔ اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

پھر اس کے بعد اس کی تفصیل آئی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ (طٰہٰ:۱۱۵)

ہم نے اس پہلے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا، مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اُس میں عزم نہ پایا۔

پھر اس کے بعد قصہ لایا گیا۔ اور جہاں تک اشیاء کے ثبوت میں ایک امر سے دوسرے امر کی طرف جو اس سے بہتر ہے کی طرف منتقلی ہو تو وہ بہت ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کا دوسرا اللہ بنانے والے پر انکار اور اس کے جھوٹے گمان جس کی بنیاد ثنویت ہے یہ کہ اولیاء اور ان کے معبود اللہ کے بیٹے ہیں اس لئے کہ وہ نور ہیں جو کہ اس کی ذات سے نکالا ہے پھر انہوں نے وہ بشر کے جسم میں ڈھل گئے پھر نورانیت کی طرف لوٹ گئے چنانچہ فرمایا:

﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِهِمْ﴾ (الکھف:۵)

اس بات کا نہ انہیں کوئی علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو تھا۔

تو وضاحت فرمائی کہ ان کا یہ قول علم و معلوم کے بغیر ہے اور یہ کہ بغیر علم کے ہر قول باطل کی کوئی نہ کوئی قسم ہوتی ہے پھر اپنے ارشاد میں اس کی قباحت کی صراحت فرمائی ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً

﴿تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ (الکھف:۵) بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ پھر اس کے باطل ہونے کے آخری درجے کا ذکر فرمایا: ﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ (الکھف:۵) وہ محض جھوٹ بکتے ہیں۔ منکرین کے بارے میں یہ ارشاد ہوتا ہے ﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ایضاً بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم گم ہوگیا۔ یعنی انہیں بتایا کہ ان کے علم میں آخری حد کا گھٹیا ضعیف علم ہے اور اس پر کسی احمق کے سوا کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ پر اس سے بھی بلیغ تر قول کی طرف منتقل کیا ﴿بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾ بلکہ یہ اس سے اندھے ہیں اور اندھا پن بھی جرأت و گمراہی کے آخری مراتب تک۔

حضرت نوح علیہ السلام کو رسالت پر مبعوث کرنے اور انہیں جھٹلانے والوں کے ابطال اور جن کا زعم یہ تھا کہ وہ صریحاً گمراہ ہیں کے بارے میں فرمایا:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ (اعراف:۶۱)

نوح علیہ السلام نے کہا، ''اے برادران قوم! میں کسی گمراہی میں نہیں پڑا ہوں''۔

پھر جب گمراہی کی ہر پہلو سے نفی کردی تو ان کے لئے کامل ہدایت ثابت کی اور فرمایا:

﴿وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (اعراف:۶۱)

بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

پھر اس سے بھی اعلیٰ درجہ کی طرف منتقل فرمایا کہ جہاں اس ہدایت کی بنیاد اور سرچشمہ ہے وہیں سے یہ ہدایت تمہاری طرف لے کر آیا ہوں چنانچہ فرمایا:

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(اعراف:۶۱)

تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں تمہارا خیرخواہ ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔

اور یہی معاملہ حضرت ھود علیہ السلام کا ہے۔ اور سید المرسلین خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾ (النّجم: ۱، ۲)

قسم ہے تارے کی جب کہ وہ غروب ہوا تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔

اور ہدایت کی نفی کرنے والی ہر چیز کی ہر پہلو سے تردید فرمائی اور پھر فرمایا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النّجم: ۴) یہ تو ایک وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔

اور اسی طرح سے حضرت زکریاؑ کے بڑھاپے اور ان کی زوجہ کے بانجھ ہونے کے باوجود ان کے لئے بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے بات کو مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ذکر کی طرف منتقل فرمایا اور اسی طرح سے کعبہ کی طرف توجہ کا حکم دیا اس کے بعد کہ سابقہ آیات میں اس کی حرمت اور اس کی عظمت کی تاکید فرمائی اور قرآن مجید میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔

## قاعدہ نمبر ۶۱

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اوقات کی معرفت کے ساتھ ان کے نظم وضبط کی بھی ترغیب دلائی ہے تاکہ ضائع ہونے سے اوقات کی حفاظت کی جا سکے اور ان سے استفادہ کیا جا سکے جب کہ اس پر حکم عام یا خاص مترتب ہوتا ہو اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانوں کے اعتبار سے بہت سے عام و خاص احکام، ان کے ضبط، ان کے شمار اور ان کی تحدید پر مرتب فرمائے ہیں جن پر احکام کا عملی طور پر نفاذ ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (البقرہ: ۲۲۶)

اے نبیؐ، لوگ تم سے چاند کی گھٹتی بڑھتی صورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہو! یہ لوگوں کے لئے تاریخوں کے تعین کی اور حج کی علامتیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے: (مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ) یہ لوگوں کے لیے تاریخوں کا تعین ہیں۔ اس میں نمازوں، روزوں، زکوٰۃ اور معاہدوں وغیرہ کے مقرر اوقات داخل ہیں اور حج پر مرتب ہونے والے خاص و عام اوقات کا ذکر بالخصوص کثرت سے فرمایا اور اسی طرح سے گنتی اور قرضوں اور کرایہ داری وغیرہ کے اوقات کا ذکر فرمایا اور عدت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

﴿وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (طلاق: ۶۵) اور عدت کو شمار کرو۔

اور روزوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَعِدَّةٌ مِنْ اَیَّامٍ اُخَرْ ﴾ (البقرہ:۱۸۵)

پس دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کریں۔ اور فرمایا:

﴿ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَائِھِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْھُرٍ ﴾ (بقرہ:۲۲۶)

وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے پہلے چار مہینے کا انتظار کریں نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ الصَّلاۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَوْقُوتاً ﴾ (النسا:۱۰۳)

بے شک نماز مومنوں کے اوپر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

اور پھر ارشاد ہوا:

﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰھُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْا اَمَداً ﴾ (الکھف:۱۲)

پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ دیکھیں کہ ان دوگروہوں میں سے کون اپنی مدتِ قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی معرفت کے بارے میں ہے جو غار والوں کی بیداری سے متعلق ہے لہٰذا اگر وہ ہمیشہ اپنی نیند کے اندر ہی رہتے تو ان کے قصہ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو پاتا۔ تو جہاں کہیں اوقات کے حساب اور مدت کے شمار کے ضبط کو ترتیب دیا گیا ہے وہ دین ودنیا کی مصلحت کے لئے ہے جس طرح کہ قرآن حکیم نے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے:

﴿ اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا ﴾ (البقرہ:۲۵۹)

یا پھر مثال کے طور پر اس شخص کو دیکھو' جس کا گزر ایک ایسی بستی پر سے ہوا جو اپنی چھتوں پر اوندھی گری پڑی تھی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ﴾ (یونس:۵)

تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو اور اسی طرح کی دیگر آیات۔

## قاعدہ نمبر ۶۲

صبر جملہ امور میں بہت بڑا معاون ہوتا ہے اور جو چیز صبر میں معاونت کرتی ہے وہ اس کی حقیقت کی پہچان، اس کے راستوں اور اس کے نتائج کی معرفت ہے نیز وہ جزع وفزع اور اس کے طور طریقوں اور اس کے نتائج سے شناسائی ہے اور یہ قاعدہ بڑے فائدے کا حامل ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی طرف کئی مقامات پر رہنمائی فرمائی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (بقرہ:۴۵) صبر اور نماز کے ساتھ اللہ کی مدد مانگو۔

یعنی تمام مقاصد اور تمام حالات میں صبر سے مدد لو۔ صبر بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کو سہل بنا دیتا ہے اور صبر کے ساتھ بندہ کے لئے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کیلئے خواہشاتِ نفس کا ترک کرنا سہل ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ اپنی بدبختی سے رک جاتا ہے اور اپنے مولا کی رضا حاصل کر لیتا ہے اور صبر کے ساتھ مصائب اس پر ہلکے ہو جاتے ہیں۔ لیکن صبر کیلئے جو چیز ذریعہ اور آلہ بنتی ہے، جس پر اس کا دارومدار ہوتا ہے اور اس کا وجود جس کے بغیر تکمیل نہیں پاتا وہ اس شے کی معرفت ہے جس پر وہ صبر کرتا ہے اور ان فضائل کے ثمرات کی معرفت ہے جو اس پر مترتب ہوتے ہیں۔ جب بندے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اطاعت وبندگی کے ثمرات میں ایمان میں اضافہ، دلوں کی اصلاح' فضائل کی تکمیل کے ساتھ کیا کیا بھلائیاں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں، اور گناہوں کے ارتکاب سے کیا کیا نقصانات اور رذائل ظہور پذیر ہوتے ہیں اور کن مختلف سزاؤں اور مصیبتوں کے وہ موجب بنتے ہیں اور وہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں کتنی برکتیں ہیں اور جو ان کی ذمہ داریوں کو پورا کرے تو اس کے لئے کتنے اجر وثواب ہیں۔ اگر وہ ان باتوں کی معرفت حاصل کر لے تو جملہ شدائد میں صبر کرنا اس کیلئے آسان ہو جائے گا اور اس کے ساتھ اسے علم کی فضیلت معلوم ہو جائے گی اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علم جملہ فضائل کی جڑ بنیاد ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا بکثرت ذکر فرمایا ہے کہ راہِ راست سے روگرداں لوگ تین قسم کے ہیں جنہیں ان کا ناقص علم اور معلومات کا نامکمل احاطہ ہی انحراف کی طرف لے گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

یقیناً اللہ سے اس کے علم والے بندے ہی خوف کھاتے ہیں اور فرمایا:

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ﴾ النسآء: ١٧

یقیناً اللہ اُن لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو جہالت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں پھر جلد ہی اس گناہ سے تائب ہو جاتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتے کہ جو وہ کر رہے ہیں وہ گناہ اور برائی ہیں وہ تو ان کے اس علم اور اس آگاہی کی کمی ہی ہے جس کی وجہ سے انہیں پتہ نہیں چل رہا کہ گناہ، عذاب، سزاؤں اور مختلف قسم کے نقصانات کا موجب بنتے ہیں اور نفع بخش کاموں کے زوال کا سبب بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا جب حضرت موسیٰ نے ان سے کہا:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○﴾

(الکھف: ٦٦ تا ٦٨)

حضرت موسیٰ علیہ السلام ے کہا، ''کیا آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے''؟ اس نے جواب دیا، ''آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے اور جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو آخر آپ اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟''

چنانچہ آگاہی کا عدم احاطہ صبر کے فقدان کا باعث ہوتا ہے۔ اگر تم استقامت کا مظاہرہ کرو تو بے صبری سے نجات پالو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت، روشنی اور صدق کامل کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ (یونس: ٣٩)

اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا اس کو انہوں نے جھٹلا دیا۔

چنانچہ واضح فرمایا کہ جھٹلانے والے دشمنوں کی تکذیب کی وجہ اس کی تعلیمات سے ان کی بے علمی ہے اور اگر وہ اس حقیقت کا ادراک اور احاطہ کر لیتے جس کا وہ داعی ہے تو وہ اس کی تصدیق

کرنے اور اس کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور ہو جاتے اور ان کا حال یہ ہے کہ اگر چہ ان پر حجت قائم بھی ہوگئی تھی لیکن اس کے معنی کے مطابق اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور وہ اس کی معرفت کے کماحقہ حصول تک نہ پہنچ پائے۔

ان معاندین کے بارے میں جن کو اس کا علم بھی ہے اور اس کی سچائی سے بھی واقف ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾(النمل:۱۴) اور انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ دل ان کے قائل ہو چکے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا؛ ﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ o﴾ (الانعام:۳۳) لیکن یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جملہ معاملات میں صبر کو لازم کرنے کے ساتھ مدد مانگنے کی ہدایت کی ہے۔اور انہیں معاملات کے حقائق' ان کے فضائل اور ان کے رذائل پر نظر رکھتے ہوئے صبر کرنے کی ہدایت کی ہے۔

## قاعدہ نمبر ۶۳

قرآن حکیم انسان کی اچھی حالت، اس کے صحیح ایمان اور اس کے عملِ صالح کے بہترین نتائج کے ساتھ سبق آموزی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خالی خولی یا اقتدار کے دعوے، دنیوی امور اور تقلیدِ موروثی منحرفین کے طریقے ہیں۔اور قرآن کریم اس اصول کی بکثرت تفصیل کرتے ہوئے لگتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

﴿ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا ﴾ (سبا:۳۷)

اور یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو' ہاں اگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے یہی لوگ ہیں جن کیلئے ان کے عمل کی دوہری جزا ہے۔

پھر فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾

(الشعرآء ۸۸:۸۹)

جبکہ اس دن نہ مال کوئی فایدہ دے گا نہ اولاد' بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ان معانی کو بکثرت بیان فرمایا ہے اور جہاں تک منحرفین کی حکایت کے دوسرے معنی کا تعلق ہے تو یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ. قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (البقرہ:۱۱۱)

ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا عیسائی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو' اپنی دلیل پیش کرو' اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

برہان کا ذکر فرمایا جس کسی نے اُس کی ذمہ داری ادا کی اور اسے لے کر آیا، وہ جنت کا مستحق ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ بَلٰى ق مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۱۲)

ہاں! حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے' اس کیلئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔

اور فرمایا:

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ط مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾

(النساء:۱۲۳)

انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ

الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَاماً وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴾ (مریم:۷۳)
ان لوگوں کو جب ہماری کھلی کھلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں" بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شاندار ہیں؟:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ (الزخرف:۳۱)

کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟۔

اور اسی طرح کی آیات ہیں جن سے کفار دنیوی امور میں اپنی فوقیت اور قیادت کے ساتھ اپنے اچھے حال پر استدلال کرتے ہیں اور ان حقیر دنیوی امور میں ان کی پسماندگی کو دلیل بناتے ہوئے اہلِ ایمان کی مذمت کرتے ہیں اور یہ فتنوں کے بڑے مواقع ہوتے ہیں کیونکہ قیادتیں اور دنیوی امور نیک و بد مخلوق میں مشترک ہوتے ہیں۔

## قاعدہ نمبر ۶۴

پریشان کن اسباب یا شبہات کے سبب حق اور یقینی امور کے مقابلے میں جو مخالف عارضی کیفیات وارد ہوتی ہیں انہیں کوئی قرار نہیں ہوتا وہ بہت جلد مضمحل اور معدوم ہو جاتی ہیں۔

یہ عظیم الشان قاعدہ ہے جو قرآن میں متعدد مواقع پر وارد ہوا ہے جسے یہ قاعدہ اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہوتا وہ بعض آیات کے مفہوم سمجھنے میں غلطی کھا جاتا ہے جو نص کے ظاہر سے خروج کا سبب بنتا ہے اور جس نے صریح حق کے مقابلے میں ان عارضی کیفیات کے وارد ہونے کی حکمتِ الٰہی کو سمجھ لیا جو ان پریشان کن اسباب کے دفاع میں یا قوی شبہ کے سلسلے میں پیدا ہوتی ہیں تو پھر اس کے بعد اس کے سامنے یہ صورتِ حال ہوتی ہے کہ جب وہ یقین اور صریح حق کی طرف لوٹتا ہے اور حق و باطل کے درمیان تقابل کرتا ہے اور ان دونوں کے مابین اختلاف واقع ہو جاتا ہے تو حق باطل پر غالب آجاتا ہے اور وہ اس کی سرکوبی کرتا ہے اور حق ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حق پر ثابت قدم رہنے والے ابرار کا انجام اچھا ہوتا ہے اور ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور تقدیر کی ایسی صورتِ حال میں حکمتِ بالغہ ہے اور مکمل تائید و حمایت ہے، ہم اس کی بعض مثالیں

پیش کرتے ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے انبیاء و رسل ایمان اور یقین میں اور اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید کی تصدیق میں پوری خلقت سے کامل ترین انسان ہوتے ہیں اور یہ وہ امر ہے جو امتوں کیلئے ان پر ایمان لانا واجب کر دیتا ہے نیز یہ کہ اللہ کے انبیاء و رسل اس صفت میں چوٹی پر تھے اور وہ اس کے برعکس صفات سے معصوم تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض آیات میں ذکر فرمایا ہے کہ انہیں نہ نظر آنے والے بعض پریشان کن امور پیش آئے ہیں جن کا انہیں بالیقین علم نہیں تھا اور ان کامل ہستیوں کیلئے واجب نہیں ہوتا کہ وہ نصرت کے آنے میں تاخیر کی حکمت کو سمجھ لیں اس لئے وہ پکار اٹھے: ﴿مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؟﴾ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اس حالت کے دوران دلوں میں (ان حالات کی قوت اور تاثیر کے مطابق) مایوس کن حالات کا گزر ہوتا ہے پھر وہیں یہ صورت حال چھٹ جاتی ہے اور مصیبت ٹل جاتی ہے اور جلد نصرت آ جاتی ہے ﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ البقرہ ۲۱۴ خبردار! اللہ کی مدد قریب ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کے وعدے کی سچائی بشارت اور عجیب آثار کی شکل میں ایک امر عظیم کے طور پر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ مقام اس حالت تک پہنچے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ (الرعد: ۱۱۰)

یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا تھا تو یکا یک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی۔

یہ وہ صورتِ حال ہے کہ جسے کوئی قرار نہیں اور جب حقائق ثابت ہو جاتے ہیں تو یہ مضمحل اور ناپید ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے کی آیات سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کے ظاہر کے مخالف ان کی تاویل کے لئے دلائل لا سکتے ہیں۔ اس باب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ﴾ (الحج: ۵۲)

اور اے نبیؐ تم سے پہلے ہم نے کوئی رسولؑ ایسا بھیجا ہے نہ نبیؑ جس کے ساتھ یہ

معاملہ نہ پیش آیا ہو کہ جب اس نے تمنا کی' شیطان اس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا۔

یعنی شیطان شبہ ڈالتا ہے جو یقین کی ضد ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان حکمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس القاء پر مترتب ہوتی ہیں لیکن معاملے کی نہایت اور اس کے انجام پر بلا شبہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہے کو منسوخ فرما دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے واقع ہونے کی خبر تمام رسولوں اور انبیاء کے بارے میں دی ہے۔ ان حکمتوں کی خبر بھی دی ہے جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ جس نے اس حقیقت کا انکار کیا کہ رسول بلا شک و ریب معصوم ہوتے ہیں اور یہ ان کی معصومیت کے خلاف ہے تو اس نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔ اگر اس نے یہ سمجھا کہ وقتی طور پر پیش آنے والی کیفیات ثابت شدہ امور کو متاثر نہیں کرتیں تو وہ ایسا قول ہے جو واقع کے بھی خلاف ہے اور بعض آیات کے مفہوم کے بھی متضاد ہے اور جس کے لئے بہت دور دراز کی تاویلات کی ضرورت ہو گی۔

اسی میں مفسرین کے اس قول کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضرت یونسؑ کے بارے میں اس ارشاد کے متعلق ہے:

﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ (الانبیاء:۸۷)

پس اس نے سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔

ان کا یہ گمان وقتی طور پر ظاہر ہوا پھر زائل ہو گیا۔ صحیح ایمان کی حالت میں بندے کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کی نظیر ایسے وساوس ہیں جنہیں بندہ ناپسند کرتا ہے لیکن اس کا ایمان اور یقین انہیں زائل اور دور کر دیتا ہے۔ اسی سلسلے میں آپؐ کے صحابہؓ نے آپؐ کے حضور میں اس حالت کی شکایت کی جس نے انہیں قلق و اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا تو رسول اللہؐ نے انہیں بشارت دیتے ہوئے فرمایا: (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے شیطان کی چال کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا) اور انہیں خبر دی کہ (یہ صریح ایمان ہے)۔

یہ عارضی کیفیات جو ایمان کی پختگی کے باوجود پیش آتی ہیں اس قوت سے ملتی جلتی ہیں جو شہوت اور غصے کی حالت میں پیدا ہوتی ہے اور کامل ایمان والے مومن کے دل میں کبھی ایمان کے منافی کسی گناہ کے فعل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے پھر ایمان کی برہان اور کامل انابت کی قوت جو بندے کے پاس ہوتی ہے اس پر غالب آ جاتی ہے تو وہ ایمان کے مخالف خیال کو رد کر دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ (یوسف:۲۴)

وہ اس کی طرف بڑھی اور حضرت یوسفؑ بھی اس عورت کی طرف بڑھتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔

اور یہ کچھ اس ایمان، خوف، خشیت اور معرفت کے باوجود ہوا جو انہیں حاصل تھی جس کی بدولت انہیں اس ارادہ اور اس کا باعث بننے والی صورتِ حالات سے نجات حاصل ہوئی اور ان کا ارادہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگیا۔ لہٰذا وہ اپنے رب کی آیات کے ساتھ اپنی قوتِ اخلاص اور ایمان کی بیداری کی بنیاد پر صدیقیت کے مرتبے پر فائز ہوئے اور ان عورتوں کے ساتھ شدید کشمکش کے بعد کامیاب ہوئے جن پر اعلیٰ مراتب کے حاملین کے سوا عام لوگ صبر نہ کر پاتے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے رب کے حضور میں دعا کی کہ انہیں فتنوں کے مواقع سے دور کر دے چنانچہ عرض کیا:

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ﴾ (یوسف:۳۳)

حضرت یوسفؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب! قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جس کی طرف یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں۔

وہ ان سات قسم کے لوگوں میں سے ہوگئے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں لے لے گا اس دن جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا (وہ آدمی جس کو ایک حسن و جمال اور حسب ونسب والی عورت نے دعوت (گناہ) دی اور اس نے کہا: (مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ (اعراف:۲۰۱)

حقیقت میں جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں پھر انہیں صاف نظر آنے لگ جاتا ہے کہ ان کیلئے صحیح طریق کار کیا ہے۔

اس میں وہ برا خیال بھی شامل ہے جو ایمان کی بنیاد میں ظاہر ہوتا ہے یا اس کے ارادے میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس جب ان کو کوئی شیطانی وسوسہ چھو جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور انہیں ایمان، اس کے واجبات، اللہ کی آیات، اس کی سنن، اس کی حکمتیں اور اس کے احکام یاد آنے لگتے

ہیں، پس ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ شبہات اور شہوات معدوم ہو جاتی ہیں اور شیطان خائب وخاسر لوٹ جاتا ہے۔

اور یہ حضرت لوط علیہ السلام کے اقوال میں سے ہے:

﴿ اَوْ آوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾(ھود : ۸۰)

یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی طرف پناہ لیتا۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ یقیناً مضبوط سہارے میں پناہ لے رہے تھے''

یعنی وہ قوی وعزیز اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کی پناہ طلب کر رہے تھے لیکن اس پریشانی کی حالت میں حضرت لوط علیہ السلام پر مروجہ اسباب کا لحاظ غالب آ گیا چنانچہ انہوں نے اس قوی علم کے باوجود کہا جو کہا۔

## قاعدہ نمبر 65

بعض اوقات قرآنِ حکیم کسی امرِ مباح (جائز کام) کی ممانعت کر دیتا ہے جب کہ وہ کسی واجب کے ترک کرنے یا کسی حرام میں پڑنے کا سبب بن رہا ہو۔ یہ قاعدہ قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے۔ مباح امور جن مقاصد کے حصول کا وسیلہ بنیں گے اُن کے مطابق احکامات کا تعین کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ارشاداتِ الٰہی ہیں:

(۱)۔﴿ وَ لَا تَسُبُّوْا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوْا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾(۶:۱۰۸)

مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

(۲) ﴿وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ﴾(۲۴ : ۳۱)

(مسلمان عورتیں) اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اپنی زینت جو انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔

(۳) ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَ قُلْنَ قَوْلاً

مَعْرُوْفاً﴾ (۳۳:۳۲)

اے نبی ﷺ کی بیبیو! دبی زبان سے بات نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے۔

(۴) ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ﴾ (۶۲:۹)

اے ایمان والو! جب تمہیں پکارا جائے نماز کیلئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔

فعل مباح کے کرنے یا نہ کرنے کے حکم کا تعین اس کام کی نوعیت پر ہوگا جس کا وہ ذریعہ بن رہا ہو؛ اگر وہ کسی واجب یا مسنون کام کا وسیلہ بنتا ہے تو وہ مباح فعل لازمی امر کی حیثیت اختیار کر جائے گا اور اگر وہ مباح کام کسی حرام کام یا کسی واجب کے ترک کرنے کا وسیلہ بنتا ہے تو اس کا ارتکاب حرام اور ممنوع ہوگا۔ یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے یعنی دیکھا جائیگا کہ اعمال کا محرک کیا ہے اور غرض وغایت کیا ہے۔

## قاعدہ نمبر 66

اِلٰـهِ وَاحِـدْ کی توحید اور اس کی عبادت کو ہی قرآن سب سے بڑا اصول قرار دیتا ہے اور اسے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

یہی اصل عظیم مطلقاً سب سے بڑا اصول ہے۔ یہی اصلِ عظیم انسانیت کی اصلاح کیلئے زیادہ مکمل، افضل، موزوں ترین اور اہم ترین ہے اور اللہ کریم کی ذات نے انسانوں اور جنوں کو جس مقصد کیلئے پیدا کیا ہے وہ یہی ہے اور جو مخلوقات کا خالق ہے اس نے اسی اصلِ عظیم کو قائم اور موجود رکھنے کیلئے قوانین وضوابط مقرر فرمائے ہیں جن کے قیام سے کائنات میں بہتری اور درستی ہو گی اور جن کے فقدان سے شر وفساد برپا ہوگا۔ قرآن حکیم کی تمام آیات میں یا تو ان احکام کو بجا لانے کا حکم ہے یا اس کے حقوق میں سے کسی حق کی ادائیگی کا حکم ہے یا اس کے برعکس کی ممانعت یا اس پر حجت قائم کرنے یا ان کو انجام دینے والوں کا دنیا و آخرت میں بدلہ پانے کا بیان ہے یا ان

کے ماننے والوں اور مشرکین کے درمیان فرق کا تذکرہ ہے۔ اسے توحیدِ الوہیت اس لئے کہا جاتا ہے کہ الوہیت صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، ہر انسان کو اُس پر ایمان لانا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ لازمی وصف ہے جس پر اسمِ عظیم اللہ دلالت کرتا ہے اور وہ ساری صفاتِ کمال کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ توحیدُ العبادۃ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ بندگی بندے کا اپنے تمام معانی کے ساتھ لازمی وصف ہو جو اپنے رب کی بندگی کے تمام تقاضوں کو لازمی طور پر پورا کرتا ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خلوص ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت بندے کا یقینی لازمہ حیات ہو، ساری عبادات کے اندر اخلاص میں پائیداری ہو۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ بندہ چھوٹے بڑے شرک سے اجتناب برتے اور ظاہری اور باطنی طور پر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو اور ہر بدعت اور گمراہی سے بچے اور الحبُ فی اللہ و البغض فی اللہ پر کاربند رہے۔

یہی اس بڑے اور عظیم تر اصول کی اصل بنیاد ہے جس پر شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اپنے بیشمار رسائل اور خاص طور پر کتاب التوحید میں بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں موضوع کے حق میں دلائل، تفصیلات اور تحقیقات پیش کی ہیں نیز اسی طرح اس کے برعکس دلائل کو ایسا رد کیا ہے کہ جس کی کہیں مثال نہیں ملتی ہے۔ ❶

قرآن حکیم اس اصول کا مختلف طریقوں سے اثبات کرتا ہے۔ ابتدائی قواعد میں اس کا

---

❶ مؤلف محترم نے بجا طور پر یہ واضح کیا ہے کہ توحید الوہیت ہی وہ بنیاد ہے جسے قرآن فہمی کے لیے بڑا اصول قرار دیا جا سکتا ہے۔ چودہ صدیوں سے تمام اسلامی دنیا کے محققین اور ماہرین علوم قرآن کے عظیم الشان علمی کارناموں سے تاریخ تفسیر کے ابواب مزین ہیں، جنھوں نے خصوصی طور پر توحید الوہیت کے موضوع پر گراں قدر کام کیا ہے۔ مولف محترم نے ان میں سے صرف شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ذکر فرمایا ہے۔ اگرچہ مترجم کو شیخ موصوف کی زندگی کے بعض واقعات سے اختلاف ہے، لیکن جہاں تک ان کی کتاب ''کتاب التوحید'' کا تعلق ہے وہ بلاشبہ توحید الوہیت کے موضوع پر ایک قیمتی اثاثہ ہے۔

کچھ ذکر آ چکا ہے۔

ہم نے قرآن حکیم کی اس آیت کی تفسیر میں اس اصول کا تعین کرتے ہوئے کل آٹھ طریقے بیان کئے ہیں۔

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾(محمد:۱۹)

پس جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔

اس کے بعد اس کی یہ صورت ہے کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کے طریق علم کے تعین کیلئے چند باتیں پیش نظر رہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے بلکہ یہی بہتر صورت ہے کہ سُنَنِ الٰہیہ اور کائناتی نشانیوں میں غور کیا جائے۔

بعدۂ اسماء حسنٰی، صفات الٰہیہ اور اس کے افعال میں غور وفکر کیا جائے جو اس کے کمال، عظمت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں۔ رب کائنات کی پیروی اور کامل بندگی کے سلسلے میں کوشش کرنا واجب ہے کیونکہ وہی تمام تعریفوں، بزرگیوں اور جلال و جمال کا مستحق ہے۔

دوئم یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات اور تدبیر میں منفرد ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ الوہیت میں بھی منفرد ہے۔

تیسرا یہ علم ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی نعمتوں یعنی تمام نعمتوں کی بخشش وعطا میں منفرد ہے خواہ وہ نعمتیں دینی ہوں یا دینوی یا اُخروی ہوں کیونکہ یہی چیز اللہ واحد لا شریک لَهٗ کے ساتھ قلبی تعلق کو واجب کرتی ہے جب کہ مومن پر خوف اور ہیبت اور محبت و الفت کے جذبات طاری ہوتے ہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے اولیاء کو جو اس کی توحید پر قائم رہنے والے ہیں اپنی مدد اور جلد انعامات سے نوازتا ہے اور مشرکین کو اللہ کے عذاب میں مبتلا ہم دیکھتے اور سنتے ہیں، یہ تاثر اس علم کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ وہی اکیلا ہی ساری عبادت کا مستحق ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ سرکشوں اور باغیوں کو پہچانا جائے جو لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور انھیں اللہ کی نازل کردہ کتابوں اور مبعوث کردہ رسولوں سے برگشتہ کرتے ہیں نیز بتوں اور جنوں کو

اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کی پہچان کی جائے ۔ان باطل معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے جو ہر اعتبار سے ناقص ہیں خود محتاج ہیں جو نہ اپنی ذات کیلئے اور نہ ہی اپنے پوجنے والوں کیلئے نفع و نقصان کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی اُن کے پاس زندگی دینے اور دوبارہ جی اُٹھانے کا اختیار ہے اور نہ ہی وہ اپنے عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی بھلائی کے حصول کیلئے یا کسی شر کے دور کرنے کیلئے کسی قسم کے ذرہ برابر نفع پہنچانے کا اختیار اُن کے حیطہء اختیار میں ہے کیونکہ اِن تمام باتوں کا علم لاَاِلٰہَ اِلاَّاللّٰہ کی حقیقی شناسائی کیلئے ضروری ہے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ اس بات کا علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں اس بات پر متفق ہیں اور ان کے مضامین اسی بنیادی اصول کے گرد گردش کرتے ہیں اور یہی اُن کتب سماوی کا بہت بڑا موضوع ہے۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ مخلوقات کو اللہ کے خاص بندوں کا علم ہونا چاہئے جو اپنے علم، عقل ،اخلاق اور رائے کی درستی کے اعتبار سے کامل ترین انسان ہیں اور وُہ انبیاء و رُسل ہیں اور علماء و اولیاء ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی ہے۔

آٹھویں صورت یہ ہے کہ انفس و آفاق میں موجود ان دلائل کا علم ہونا چاہئے جو توحید پر زبردست دلالت کرتے ہیں ۔یہ دلائل زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اِن کے قیام میں اس کی کمال درجے کی کاریگری ،تعجب خیز حکمت ،پیدا کرنے کی عجیب و غریب صلاحیت کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

لَاالِٰـہَ اِلاَّاللّٰہ کی طرف اللہ کریم نے اپنی مخلوق کو انہی طریقوں سے دعوت دی ہے۔اُس نے اپنی کتاب میں اس طرح ابتدا کی ہے اور اس دعوت کا بار بار اعادہ کیا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اگرچہ طریقہ اور اسلوبِ بیان مختلف اختیار کیا گیا ہے۔اللہ کے مبعوث کردہ تمام رسولوں نے اپنی قوموں کو دعوت کی ابتدا اسی توحید کو پیش کر کے کی ہے اور اِن دلائل سے بڑھ کر مضبوط اور کثرت کے ساتھ دلائل و براہین کے ساتھ توحید کو ثابت کیا ہے۔

## قاعدہ نمبر 67

قرآن حکیم کا یہ قاعدہ ہے کہ یہ تحقیق شدہ حقائق کے ذریعے مشتبہ اور موہوم امور سے نجات دلاتا ہے۔یہ عظیم الشان قاعدہ ہے جس کی اس طرح تعبیر کی جاتی ہے کہ موہوم سے معلوم کو شکست

نہیں دی جا سکتی ہے اور مجہول تحقیق شدہ امر کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسی قسم کی عبارات میں اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کئی مقامات پر آگاہی بخشی ہے۔ مثلاً جب رسوخ فی العلم رکھنے والے لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وُہ متشبہات کے سلسلے میں کہتے ہیں:

(۱)۔ ﴿آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران:۷)

ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

اور ہر امر معلوم محکمات میں سے ہے اور ظن وتخمین پر مبنی ہر مشتبہ امر کا معنی متعین کرنے کیلئے محکم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ بُرے لوگوں کے طرح جو مخلص مومن اپنے بھائیوں کے بارے میں بُری باتوں کی تشہیر کرتے ہیں انہیں جھڑکا گیا ہے:

(۲)۔ ﴿لَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُبِينٌ﴾ (نور:۱۲)

اس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ایمان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جو برائیوں کو دور کرنے کا سبب بنتا ہے اور اسی اصلِ عظیم کے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے برعکس خبیث لوگوں کے کلام کا اعتبار کرنے سے منع فرمایا ہے اور اُن کی مذمت کی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ احزاب:۶۹

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ کو اذیتیں دی تھیں پھر اللہ تعالےٰ نے ان کی بنائی ہوئی باتوں سے ان کی براءت فرمائی اور وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک باعزت تھے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلند مرتبہ اور مقام حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ ان سارے نقائص اور عیوب سے بری قرار پائے جن سے ایذا پہچانے والوں نے انہیں متہم کیا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں ذی عزت اور باوقار قرار نہیں پا سکتے تھے جب تک وُہ

ان تمام نقائص اور عیوب سے مبرا نہ ہو جائیں جو انبیاء کے شایانِ شان نہیں ہیں اور اُن کمالات سے آراستہ نہ ہو جائیں جو اُن کے شایانِ شان ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ کریم نے اُمتِ مسلمہ کو اس پتھر دل مغضوب قوم کے نقشِ قدم پر چلنے سے محتاط رہنے کا حکم دیا ہے جنہوں نے انبیاء کی دشمنی اور تحقیر کرنے کا اعلان کر رکھا ہے خواہ انبیاء کی تعظیم و تکریم سے انھیں خیر کثیر کے ملنے کا امکان کتنا زیادہ کیوں نہ ہو۔ حالات اس موڑ پر پہنچے کہ ان کی ایذا دہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نہ بچ سکے جن کی ساتھ نسبت کی وجہ سے انہیں شرف وعظمت نصیب ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبہ ومقام کے حامل ہونے کے باوجود انہیں اپنے ہاتھوں قتل اور بُرے عذاب سے نہ بچا سکے کیونکہ دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات اسی سزا پر منحصر تھی۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہود سے مشابہت کرنے کے انجام سے ڈرا رہا ہے کہ ایسا نہ ہو یہ بھی سید الانبیاء والمرسلین موسیٰ ﷺ کو ایذاء پہچانے کے جرم کا ارتکاب کر بیٹھیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ ومقام اور درجہ ارفع داعلیٰ ہے، جو مومنوں پر بہت ہی مشفق ومہربان ہیں اور جن کے مخلوق پر بے حد ونہایت احسانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ﴿فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ (یونس:۳۲)

پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا باقی کیا رہ گیا؟

(۲) ﴿وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ﴾

(سبا:۶)

اے نبی ﷺ! علم رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ سراسر حق ہے

## قاعدہ نمبر 68

جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی چیز کو ترک کیا تو اللہ کریم اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز اسے عطا کرتے ہیں۔ یہ قاعدہ قرآن حکیم میں کئی جگہ پر وارد ہوا ہے۔ اس کی ایک مثال اوّلینؓ مہاجرین کی ہے جنہوں نے اپنے وطن، اپنے مال اور اپنے پیاروں کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی

تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں انہیں دُنیا میں رزق، عزت اور بلند مراتب عطا کیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم، اپنے باپ اور معبودان باطل سے جدائی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حضرات اسحاق، اسماعیل، یعقوب علیہم السلام اور نیک اولاد عطا فرمائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس پر کنٹرول کیا اور عزیز بادشاہِ مصر کی بیوی کے ساتھ ملوث ہونے سے اپنے آپ کو بچالیا باوجود اس بات کے کہ وہ عورت ان کے ساتھ گناہ میں ملوث ہونے کے صلے میں عزیزِ مصر کے محلات اور اس کے اقتدار میں حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل دخل کی تمنار کھتی تھی۔ انہوں نے قید ہونے کو پسند کیا اور اس پر صبر کیا اور اسے خود طلب کیا تا کہ فتنے اور خرابی کی حدود سے اپنے آپ کو باہر نکال لے۔

عورتوں اور اقتدار سے اپنی مرضی کے مطابق متمتع (فیضیاب) ہوتا تھا۔

اسی طرح اصحابِ کہف کا معاملہ ہے کہ جب وہ اپنی اپنی قوم اور اُن کے معبودانِ باطل سے الگ ہوئے تو اللہ جل شانہٗ نے اُن کیلئے اپنا دامنِ رحمت پھیلا دیا اور اُن کیلئے شفقت، محبت اور راحت و آرام کے اسباب مہیا فرما دیئے اور اُن کو گمراہوں کی ہدایت کا سبب بنا دیا۔

حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے جب اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عزت و احترام کا مقام عطا کیا اور اُن میں اپنی روح پھونکی اور انہیں اور اُن کے بیٹے کو سارے جہانوں کیلئے ایک نشانی بنا دیا۔ جو شخص اپنی خواہشاتِ نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اس کے عوض اپنی محبت، اپنی عبادت اور رجوع الی اللہ کے بلند مقامات عطا فرماتے ہیں جو ساری دُنیا کے خزانوں اور لذتوں سے بڑھ کر فوقیت کے حامل ہوتے ہیں۔

## قاعدہ نمبر ۶۹

قرآن حکیم تمام فسادیوں کے مقابلے کیلئے کفالت کرتا ہے یعنی وہ سارے ذرائع اور وسائل بروئے کار لانے کا حکم دیتا ہے جن سے فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ ہر قسم کے شر و فساد سے صرف اسی صورت میں محفوظ رہا جا سکتا ہے جب ہم قرآن کے اصول، اس کی جزیات اور اس کے احکام و قوانین کے پابند ہوں۔ ہم ازیں پیشتر اصلاح اور بہتری کیلئے قرآن کی دعوت کے سلسلے میں اس عظیم بنیادی اصول پر مبنی باطل پرستوں سے بحث و مباحثہ اور داخلی اور خارجی سیاست کے

دلائل پیش کر چکے ہیں۔ ساری مخلوق جانتی ہے کہ شر وفساد سے بچاؤ کا اور کوئی طریقہ نہیں ماسوائے اس کے کہ قرآن کے اصولوں، اس کے عقیدوں، اس کے اخلاق و آداب اور اس کے قوانین و ضوابط کی پابندی کی جائے۔

سب سے بڑے اہلِ شر یہ لوگ ہیں جو محسوسات سے ماوراء ہر چیز کو دیکھنے سمجھنے کی اپنی صلاحتوں کو معطل کر کے اندھے بنے بیٹھے ہیں، خالقِ کائنات اور انبیاءؑ کے ادیان کے منکر ہیں اور ہر اس چیز سے انکار کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے۔ قرآن حکیم میں مختلف دلائل و براہین دیئے گئے ہیں جو ان کے قول اور ان کے مذاہب کو باطل قرار دیتے ہیں۔ عقلمند لوگوں پر یہ بات واضح ہے کہ یہ منکرین شفاف، بدیہی اور ظاہر باتوں سے انکار پر اصرار کر رہے ہیں۔

ان میں کچھ مشرکین ایسے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی صفات، تعریفات اور ان حقوق میں جو اللہ تعالےٰ کیلئے مختص ہیں مخلوقات کو برابر کا درجہ دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں شرک کی نفی، توحید کا اثبات، وحدانیت اور دیگر صفاتِ کمال میں اللہ کی ذات کے منفرد ہونے پر دلائل قائم کئے گئے ہیں اور اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ اس کے ماسواء کوئی عبادت کے لائق نہیں اور کوئی بھی ہستی صفات میں سے کسی صفت یا حقوق میں سے کسی حق کے سلسلے میں اللہ تعالےٰ کے مساوی نہیں ہے۔ ان مشرکین کے اقوال کو باطل کرنے کیلئے قرآن حکیم کی بعض آیات ہی کافی ہیں۔

ان میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم میں اُن کی رسالت و نبوت کی ثبوت میں بہت سے دلائل اور براہین موجود ہیں۔

نشانیاں اور معجزات کا ظہور ان کی سچائی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ اوصاف اور تعریفات جن سے انبیاء متصف ہیں اُن کے اللہ کے سچے رسول ہونے پر بڑے بڑے دلائل ہیں اور یہ کہ وہ تمام مخلوق سے زیادہ سچے اور ہر قسم کی صفات اور فضائل کے اعتبار سے کامل ترین افراد ہیں۔

ان میں انبیاء اور کتب سماوی میں تفریق پیدا کرنے والے ایسے لوگ بھی ہیں جن کا گمان یہ ہے کہ وہ بعض کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کتابوں سے انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم

میں اُن کے اس قول کو باطل ٹھہرانے کیلئے بہت سے دلائل موجود ہیں۔اُن کے اقوال نفی اور اثبات کے سلسلے میں باہم متضاد ہیں حالانکہ ایمان حق ہے اور حق واضح ہے۔

ایمان تو یہ ہے کہ ہر آسمانی کتاب جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اور ہر رسول جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کی تصدیق کی جائے۔حق،صدق،علم اور یقین کے ذریعے ایمان واجب ہو جاتا ہے اور اس کا اعتراف ضروری ہو جاتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو اور جس کے ساتھ ہو، یہ صرف دعووں اور خواہشوں کا نام نہیں ہے۔

ان میں لا مذہب اور اشتراکی ہیں جو مذاہب،حکومتوں، دنیا اور آخرت کے تصورات کیلئے فساد کے خبیث ترین جراثیم ہیں حالانکہ قرآن حکیم اُن کے قول کو باطل ٹھہراتا ہے۔کتاب اللہ بہت سے عقائد، دلائل اور براہین پر مشتمل ہے نیز یہ کتاب اخلاقِ حسنہ سے آراستہ کرنے اور برے اخلاق سے نجات دلانے ،لوگوں کے مختلف طبقات کے درمیان حقداروں کے حقوق کی ادائیگی اور مستحقین کو صدقات وزکواۃ دلانے کی ضمانت بھی فراہم کرتی ہے۔حالت اضطرار کو پہنچے ہوئے محروم طبقوں کی اس حالتِ زار سے نجات کو حکمت اور معقولیت پر مبنی احکامات وقوانین کے ذریعے یقینی بناتی ہے۔قرآن حکیم کے یہ سارے عقائد، دلائل و براہین، اور احکامات وقوانین ان فسادیوں کے اثرات کا راستہ روکنے کیلئے ایک مضبوط دیوار کا کام کرتے ہیں،ان کے شر سے بچاتے ہیں اور ان کی دلیل کو بے وزن کرتے ہیں۔

ان میں اہلِ بدعت بھی شامل ہیں جو مختلف مسالک اور متنوع تصورات اپنائے ہوئے ہیں۔قرآن حکیم میں حضور نبی ءکریم سے ثابت شدہ دین کے اصول وفروع پر مبنی دلائل و براہین ہیں جن پر قائم رہنا واجب ہے نیز متشابہ آیات سے پہلو بچا کر محکم آیات پر توجہ دینا اور اللہ کی رسی ( قرآن حکیم ) کو مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا ہمارے لئے واجب ہے تا کہ اہلِ بدعت کے سارے اقوال کو باطل کیا جا سکے اور ان کی جھوٹی شان وشوکت کو پامال کیا جا سکے۔ان میں ایسے فرقہ پرست گروہ بھی شامل ہیں جو مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامے رکھنے اور باہمی پیار و محبت کو قائم رکھنے پر زور دیا گیا ہے اور فرقہ پرستیوں سے منع کیا گیا ہے نیز خبر

دی گئی ہے کہ دین میں تفریق پیدا کرنا مغضوب اور گمراہ لوگوں کا شیوہ ہے اور اس قسم کے سارے لوگوں کے حالات و واقعات بیان کر کے ڈرایا گیا ہے اور عمومی اور کلی اصولوں پر اتحاد و اتفاق کو واجب قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کی شرارتوں اور خباشتوں کا قلع قمع ہو سکے اور ان کے طور طریقوں کی برائی کو واضح کیا جا سکے۔

ان میں مفسدین بھی ہیں جن کے ہاتھوں لوگوں کے جان، مال اور عزت محفوظ نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ان کے شر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور ان پر حدود قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے طور طریقوں پر چلنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ ان کے جرائم کا سدِ باب کرنے، ان کے شر کا قلع قمع کرنے اور اس میں تخفیف لانے کیلئے پند و نصائح اور زجر و توبیخ سے کام لیا گیا ہے۔ فتنہ و فساد برپا کرنے والے گروہ کے برے اثرات اس معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے جو اپنے آپ کو قرآنی تعلیمات اور احکامات سے بری الذمہ قرار دے چکا ہے اور اسلام کے اس مضبوط قلعے کی حدود سے باہر ہو چکا ہے۔ اس مضبوط قلعے کی حدود میں جو شخص بھی داخل ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو ہر قسم کے شر و فساد اور ضرر و نقصان سے محفوظ کر لیتا ہے، یہ ہر باطل پر غالب آنے والا، دلوں کو پاکیزگی عطا کرنے والا

اور معاشرے کو ہر قسم کے بگاڑ سے نجات دلانے والا ہے۔

## قاعدہ نمبر ۷۰

قرآن حکیم کے بہت سے اصل الفاظ جامع قواعد پر مبنی ہوتے ہیں مگر یہی الفاظ ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہوتے ہیں کہ یہ اس ذات کی نازل کردہ کتاب ہے جو دانا اور ستودہ صفات ہے اور یہی بات اس ہستی کی سچائی پر دلالت کرتی ہے جس کی طرف وحی کی گئی ہے اور جسے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں اور جس کیلئے کلام کو مختصر کیا گیا ہے اب ہم اس سلسلے کی مثالیں اور نمونے پیش کریں گے۔

ارشاداتِ الٰہیہ یہ ہیں:

(۱)۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾(فصلت:۴۶)

جس نے نیک عمل کیا یہ اس کی ذات کے لئے فائدہ مند ہے اور جس نے برائی کمائی اس کا بوجھ اسی پر ہوگا۔

(۲) ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾(یونس:۲۶)

جن لوگوں نے اچھے اعمال کیے ان کیلئے اچھا انجام ہے اور وہ مزید انعامات کا بھی مستحق ہوگا۔

(۳) ﴿هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾(الرحمٰن:۶۰)

کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور بھی ہے؟۔

(۴) ﴿وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ﴾(الواقعہ:۱۰)

اور آگے بڑھ جانے والے تو آگے بڑھ جانے والے ہی ہوں گے

(۵) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(النحل:۹۰)

بے شک اللہ کریم عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔

(۶) ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(المائدہ:۲۰)

اور بھلائی اور تقویٰ پر تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔

(۷) ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(النحل:۹۷)

جس نے نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہوا سے ہم ضرور ہی پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور اس کے اچھے اعمال کا ضرور ہی اچھا بدلہ دیں گے۔

(۸) ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾(الزلزال:۸)

جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کا کام کیا وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برا کام کیا وہ بھی دیکھ لے گا۔

(۹) ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا﴾

(المزمل ۲۰)

اور جو کچھ تم اپنی جانوں کیلئے بھلائی میں سے آگے بھیجو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں پالو گے وہ بہتر اور بڑا اجر دینے والا ہے۔

(۱۰) ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ (البقرہ:۱۹۷)

اور جو تم بھلائی کا کام کرو گے اللہ اسے جان لیتا ہے۔

(۱۱) ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوْءً ا يُجْزَ بِهٖ﴾ (النساء:۱۲۳)

جو برا کام کرتا ہے وہ اس کا بدلہ پالیتا ہے۔

(۱۲) ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر:۱۰)

بے شک صبر کرنے والے بغیر حساب کے اجر پائیں گے۔

(۱۳) ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا﴾ (النساء:۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں چلتے ہو تو تحقیق کرلیا کرو۔

(۱۴) ﴿اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾ (الحجرات:۶)

اگر تمہارے پاس کوئی خبر لے کر بدکار شخص آجائے تو تحقیق کرلیا کرو۔

(۱۵)(الف) ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (شوریٰ:۳۸)

ان کے سارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

(۱۵)(ب) ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

اور معاملات میں آپ ان سے مشورہ کیا کریں۔

(۱۶) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا﴾ (النساء:۴۰)

بے شک اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اس کو دو چند کرتا ہے۔

(۱۷) ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء:۱۲۸)

اور صلح ہی بہتر ہوتی ہے۔

(۱۸) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (یونس:۸۱)

بے شک اللہ فسادی لوگوں کے کام کو درست نہیں کرتا۔

(۱۹) ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرہ:۲۰۵)

اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتے

(۲۰) ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ (انفطار:۱۹)

جس دن کسی جان کو کسی کیلئے کوئی اختیار نہیں ہوگا اور سارا حکم اللہ کا چلے گا۔

(۲۱) ﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (جن:۱۸)

پس اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

(۲۲) ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ (البقرہ:۲۲)

پس نہ بناؤ اللہ کے شریک۔

(۲۳) ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِص ﴾ (الزمر:۳)

خبردار! دین اللہ کیلئے ہی خالص ہے۔

(۲۴) ﴿فَادْعُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن ﴾ (غافر:۶۵)

پس اللہ کیلئے ہی دین کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارو۔

(۲۵) ﴿فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَااسْتَطَعْتُمْ ﴾ تغابن:۱۶

پس جتنا تمہاری طاقت ہے اللہ سے ڈرو۔

(۲۶) ﴿وَيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَه﴾ (ھود:۳)

اور ہر صاحب فضیلت کو اس کے علم و فضل کے مطابق اجر دیا جاتا ہے۔

(۲۷) ﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ﴾ (البقرہ:۲۳۷)

اور اپنے اندر فضیلت کو نہ بھلاؤ۔

(۲۸) ﴿وَلَا تَبْخَسُوْا النَّاسَ اَشْيَاءَ هُمْ ﴾ (ھود:۸۵)

اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دو۔

(۲۹) ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ﴾ (ھود:۱۱۲)

پس جس طرح تمہیں حکم دیا گیا اس طرح ثابت قدم رہو۔

(۳۰) ﴿فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ ﴾ (حٰم سجدہ:۶)

پس اسی کی طرف سیدھے رہو۔

(۳۱) ﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (توبہ:۱۲۰)

اور صبر کیجیے بے شک اللہ احسان کرنے والو کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

(۳۲) ﴿ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ (ھود:۱۱۴)

بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہے۔

(۳۳) ﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَآءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾

(یوسف:۲۴)

تا کہ اسی طرح ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیں، درحقیقت وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

(۳۴) ﴿ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (مرسلت:۴۴)

بے شک اسی طرح ہم نیکوکار لوگوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(۳۵) ﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ ﴾ (الرعد:۲۱)

اور وہ لوگ ان تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کا اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔

(۳۶) ﴿ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ (شوریٰ:۴۰)

اور برائی کا بدلہ اسی قسم کی زیادتی ہے۔

(۳۷) ﴿ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ ﴾

(النحل:۱۲۶)

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہیں تکلیف دی گی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ بات صبر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے

(۳۸) ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ﴾ (البقرہ:۱۹۴)

پس جو تمہارے اوپر زیادتی کرے پس اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے۔

(۳۹) ﴿ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ ﴾ (بنی اسرائیل:۹)

بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے۔

(۴۰) ﴿ يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ ﴾ (جن:۲۱)

یہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

(۴۱) ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل:۱۵)

اور ہم عذاب دینے والے نہیں تھے جہاں تک کہ ہم اپنا رسول نہ بھیج دیں۔

(۴۲) ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ﴾ (توبہ:۹۱)

بھلائی کرنے والوں پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

(۴۳) ﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

(اللہ کا رسول ﷺ) ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور پلید چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے وہ بوجھ اور طوق اتار دیتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔

(۴۴) ﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (شوریٰ:۴۰)

پس جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے اس کا اجر اللہ کے اوپر ہے۔

(۴۵) ﴿ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴾ (الکھف:۴۶)

اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

(۴۶) ﴿ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴾ (حج:۷۶)

اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

(۴۷) ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرہ:۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور سختی کا ارادہ نہیں کرتا۔

(۴۸) ﴿ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (حج:۷۸)

اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہارے اوپر کوئی رکاوٹ (مشکل) نہیں ڈالی۔

(۴۹) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ:۲۸۶)

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

(۵۰) ﴿لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نفساً اِلّا ما آتاھا﴾ (طلاق:۷)

اللہ تعالیٰ کسی جان کو اتنی تکلیف دیتا ہے جتنی اس کی طاقت ہے۔

(۵۱) ﴿لِیُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰہُ﴾

(طلاق:۷)

چاہئے کہ زیادہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جسے رزق کے معاملے میں تنگدست کر دیا گیا ہے اس کو اللہ کی دی ہوئی گنجائش کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔

(۵۲) ﴿وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ﴾ (الاحزاب:۴)

اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

(۵۳) ﴿وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا﴾ (فرقان:۳۳)

جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات لے کر آئے تو اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔

(۵۴) ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

تحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

(۵۵) ﴿وما آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ (حشر:۷)

اور جو تمہیں اللہ کا رسول دے پس وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع کر دے اس سے باز آجاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

(۵۶) ﴿وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ﴾ (الاحزاب:۵۳)

اور تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو۔

(۵۷) ﴿والَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ (الاحزاب:۵۸)

اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی جرم کے تکلیف پہنچاتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔

(۵۸) ﴿واَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ﴾ (الانفال:۶۰)

اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کیلئے مہیا رکھو۔

(۵۹) ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرة:۲۰۲)

اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بہترین زندگی عطا کر اور آخرت میں بھی بہترین زندگی عطا فرما، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

پس یہ آیات کریمات اور ان کے مشابہ اور بہت سی آیات ایک اصول اور قاعدہ کلیہ پر مبنی ہیں جو بہت سے معانی پر محیط ہیں۔قواعد پر بحث کے دوران ان کے بارے میں بہت کچھ پیش کیا جا چکا ہے جس سے قرآن کے الفاظ ذہن نشین کرنے اور ان کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کا شوق رکھنے والوں کیلئے بہت ہی آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

# ہماری دیگر کتب

| | |
|---|---|
| تفسیر حقانی | مولانا محمد عبدالحق حقانی |
| علم القرآن | مرتبہ: سید قاسم محمود |
| سفرنامہ ارض القرآن | محمد عاصم الحداد |
| القرآن اور علم النفس | محمد عثمان نجاتی |
| فلسفہ سائنس اور قرآن | رائے خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ |
| اللؤلؤ والمرجان | ترجمہ۔ سید شبیر احمد |
| اصول الحدیث | ڈاکٹر خالد علوی |
| حفاظت حدیث | ڈاکٹر خالد علوی |
| حدیث نبویؐ اور علم النفس | محمد عثمان نجاتی |
| سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم | علامہ شبلی نعمانی |
| رحمۃ اللعالمینؐ | قاضی محمد سلیمان منصور پوری |
| النبی الخاتمؐ | مولانا مناظر احسن گیلانی |
| رسول عربیؐ | نور بخش توکلی |
| حیات محمدؐ | محمد حسین ہیکل |
| محسن انسانیتؐ | نعیم صدیقی |
| انسان کاملؐ | ڈاکٹر خالد علوی |
| سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربیؐ | پروفیسر محمد اجمل خان |
| حیات سرور کائناتؐ | مارٹن لنگز |
| سیرت طیبہ محمد رسول اللہؐ | مولانا عبدالمقتدر ایم۔اے |
| نبی اکرمؐ بطور ماہر نفسیات | سیدہ سعدیہ غزنوی |
| اسوۂ حسنہ اور علم نفسیات | |









الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور